ٹیبل پر رکھ دیتی ہے اور خود بھی دوسری کرسی پر بیٹھ کر پان بنانے لگتی ہے۔)

ظاہرہ بیگم : ہزار ہا کہا ہے کہ نہار پیٹ چائے پینا اچھی عادت نہیں ہے.....معدہ کمزور ہوجاتا ہے مگر آپ میری بات.....

اسرار احمد : (اخبار کی خبر دکھاتے ہوئے) یہ سرخی پڑھو۔

ظاہرہ بیگم : (اخبار کی سرخی پڑھتے ہوئے) ''بیاہتا کو سسرالیوں نے زہر کھلا دیا.....''
یا اللہ.....کہاں کا واقعہ ہے یہ.....؟

اسرار احمد : اپنے شہر کا.....وہ جو میرا دوست ہے نا دلیر خان.....اس کی بیٹی ہے۔

ظاہرہ بیگم : خدایا خیر.....شمس النساء.....؟

اسرار احمد : ہاں.....وہی.....شکر ہے بروقت علاج سے جان بچ گئی.....

ظاہرہ بیگم : ہوا کیا تھا.....؟

اسرار احمد : (چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے) شمس النساء کے سسرال والے بڑے دنوں سے تقاضا کررہے تھے کہ شمس النساء میکے سے پچاس ہزار روپے لائے.....شمس النساء نے دلیرخان کو یہ بات بتائی بھی تھی.....مگر دلیر خاں کہاں سے دیتا..... جائیداد تو بیٹوں نے زبردستی اپنے نام لکھوالی.....دو وقت کی روٹی کے لالے ہیں..... پچاس ہزار کہاں سے دیتا.....؟
(ظاہرہ بیگم پان دیتی ہے، اسرار احمد پان کا بیڑہ چبانے لگتے ہیں۔)

ظاہرہ بیگم : اللہ رحم کرے ان لوگوں پر جن کی بیٹیاں ہیں۔ بیٹی کیا ہوئی.....مصیبت ہوگئی..... پڑھاؤ لکھاؤ..... پریشانیاں اٹھا کر شادی کرو..... پھر شادی کے بعد یہ جھمیلہ.....۔

اسرار احمد : ہاں بیگم.....دلیر خان کی بیٹی کا یہ حال ہوا.....تمہارے چچازاد بھائی امجد حسین کی بیٹی کو سسرال والوں نے مار پیٹ کر کے گھر سے نکال دیا..... ہمارے پڑوس کی زیبا خانم کو بانجھ ہونے کا الزام لگا کر اس کے شوہر نے دوسری شادی کرلی..... ماں باپ بیچارے خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتے ہیں..... کیوں کہ بیٹی کی گرہستی کا سوال ہے.....۔

ظاہرہ بیگم : سچ کہتے ہیں آپ.....ادھر بیٹی پیدا ہوئی.....ادھر مصیبتوں کا پہاڑ کھڑا ہوگیا۔

(اسرار احمد اور ظاہرہ بیگم دونوں کی بات چیت جاری ہے۔ ان کی حرکات دکھائی دیتی ہیں لیکن آواز سنائی نہیں دیتی۔لڑکی بولنے لگتی ہے۔)

لڑکی : مصیبت ہے آپ کا سماج.....مصیبت ہیں آپ کے بیجا رسم ورواج.....جہیز کی لعنت کس نے پیدا کی؟.....شادی کو ایک مسئلہ کس نے بنایا.....؟ بیٹی کے ساتھ دوسرے درجے کا برتاؤ کرنا کس کے ذہن کی پیداوار ہے.....
(لڑکی خاموش ہوجاتی ہے۔ ظاہرہ بیگم اور اسرار احمد کی آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں۔)

اسرار احمد : (معنی خیز انداز میں) بہو راضی ہوئی کہ نہیں.....؟

ظاہرہ بیگم : ہماری مرضی کے آگے وہ کون ہوتی ہے اپنی مرضی چلانے والی.....ہمیں ہمارے گھر کا چراغ جلانے والا چاہیے..... بیٹا ہوگا تو ہماری نسل آگے بڑھے گی..... بیٹی دوسروں کے گھر چلی جائے گی.....ہمیں بیٹا چاہیے..... بیٹی نہیں۔
(ساجد اندرونی دروازے سے اندر داخل ہوتا ہے۔)

اسرار احمد : پوری احتیاط اور رازداری سے یہ کام ہونا چاہیے۔

ساجد : آپ فکر نہ کریں.....کام آسانی سے ہوجائے گا.....۔

(اسرار احمد اور ظاہرہ بیگم اندر چلے جاتے ہیں، ساجد اخبار لے کر پڑھنے لگتا ہے.....کال بیل بجنے کی آواز آتی ہے۔)

ساجد : (بیرونی دروازے کی طرف منہ کر کے (کون ہے.....؟

آواز : یار میں ہوں زاہد علی.....

ساجد : ارے.....زاہد تم ہو.....اندر آجاؤ.....دروازہ کھلا ہے۔

(ساجد کا دوست زاہد علی اندر آتا ہے۔)

زاہد علی : تمہارے آفس کا چپراسی میرے پڑوس میں رہتا ہے.....تب اس نے بتایا کہ تم آج رخصت پر ہو..... مجھے تشویش ہوئی کہ کہیں تمہاری طبیعت تو خراب نہیں.....اس لیے یہاں چلا آیا۔

ساجد : نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

زاہد علی : پھر رخصت کیوں لی.....؟

ساجد : بات یہ ہے زاہد.....امی ابو کو اور خود مجھے بھی بیٹے کی بڑی خواہش ہے۔

زاہد علی : پھر.....!

ساجد : پھر یہ کہ نجمہ حاملہ ہے.....ڈاکٹری معائنے سے پتہ چلا ہے کہ اس کے پیٹ میں لڑکی ہے، ہم لوگ نہیں چاہتے کہ ہمارے گھر لڑکی پیدا ہو.....اس لیے ہم آج نجمہ کا حمل ساقط کروا رہے ہیں۔

زاہد علی : (سوالیہ لہجے میں) نجمہ اس کے لیے تیار ہے.....؟

ساجد : ہم سب کی مرضی اور خواہش کے سامنے اس نے بھی ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔

زاہد علی : (کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے) لیکن یہ تو گناہ ہے..... نہ مذہب اس کی اجازت دیتا ہے اور نہ قانون..... یہ سراسر قتل ہے..... بیٹی کا.....انسانیت کا.....تم سب قاتل کہلاؤ گے.....تم.....تمہارے گھر والے.....اور وہ ڈاکٹر بھی جو اس کام میں تمہاری مدد کر رہا ہے..... اپنے ہی ہاتھوں اپنی بیٹی کو قتل کرنے کے ارادے سے باز آجاؤ.....۔

ساجد : (جھنجھلاتے ہوئے) تم سمجھنے کی کوشش کرو.....ہمیں ہمارے خاندان کو چلانے والا چاہیے.....ہمیں ہمارے بڑھاپے کی لاٹھی چاہیے جس کے سہارے میں اور نجمہ اپنے بڑھاپے کے دن آرام سے بسر کرسکیں..... نجمہ کو بھی میں نے سمجھا دیا ہے.....اور غالباً اس کا ذہن میری بات قبول کر چکا ہے۔

زاہد علی : تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے جو تم ایسے بھیانک گناہ کے مرتکب ہو رہے ہو۔

ساجد : نہیں زاہد.....آج زمانے کے حالات دیکھو.....جس کے گھر بیٹی ہوتی ہے اس کے دل سے پوچھو کیا کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے..... کتنے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے.....اس کی شادی کا مسئلہ.....شادی کے بعد اس پر ہونے والے مظالم کا مسئلہ..... کلیجہ کانپ جاتا ہے ان سب مسائل کے بارے میں سوچ کر.....اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ مجھے بیٹی نہیں چاہیے..... بیٹا چاہیے.....۔

زاہد علی : دراصل تم فرار چاہتے ہو.....اپنے فرائض سے.....اپنی ذمہ داری سے.....تمہارے اندر کا آدمی بیمار ہو چکا ہے..... میں پھر کہتا ہوں کہ یہ بہت ہی غلط کام ہے جو تم کرنے جا رہے ہو.....ایک گھناونا جرم..... باز آجاؤ دوست.....اس جرم سے باز آجاؤ۔

ساجد : یار.....تم کچھ بھی کہو.....میرا فیصلہ اٹل ہے۔

(ساجد اور زاہد علی کی بات چیت جاری رہتی ہے۔ ان کی حرکات دکھائی دیتی ہیں لیکن آواز سنائی نہیں دیتی۔لڑکی کی آواز گونجنے لگتی ہے۔)

لڑکی : (روتے ہوئے) پپا..... مجھے قتل ہونے سے بچا لیجیے..... مجھے قتل مت کیجیے..... میں آپ کی بیٹی ہوں پپا.....آپ کی گود میں کھیلنا چاہتی ہوں۔آپ کے آنگن میں بہار لانا چاہتی ہوں.....آپ سے اتنا پیار کروں گی کہ آپ زندگی کے سارے دکھ درد بھول جائیں گے.....

میں آپ کے لیے رحمت ہوں پپا..... زحمت نہیں..... میرے اچھے پپا..... میں آپ کا نام روشن کروں گی..... تعلیم میں..... کھیل میں..... سیاست میں..... تجارت میں..... زمین پر..... خلاء میں..... ہر جگہ میں ہی آپ کو نظر آؤں گی..... آپ دیکھیے تو سہی..... آپ تو دیکھتے ہی نہیں۔

(لڑکی ہچکیاں لیتی ہوئی چپ ہوجاتی ہے۔ ساجد اور زاہد علی کی آوازیں دوبارہ سنائی دینے لگتی ہیں)

زاہد علی : (سمجھاتے ہوئے) دیکھو ساجد..... نجمہ نے اگر تمہاری بات مان بھی لی ہوگی..... تو تمہارے دباؤ میں آکر..... اس کا دل رو رہا ہوگا..... اس کے جذبات اور احساسات تمہاری ضد کی آگ میں جھلس گئے ہوں گے..... اب بھی وقت ہے نجمہ کی ممتا کا خون مت کرو.....۔

ساجد : نجمہ میری بیوی ہے..... شوہر کا حکم ماننا اس کا فرض ہے۔ مجھے بیٹا چاہیے..... صرف بیٹا..... اور بس..... (کال بیل بجتی ہے۔) کون ہے.....؟

آواز : میں ہوں دلیر خاں۔

(ساجد اٹھ کر دروازے تک جاتا ہے)

ساجد : (دروازہ کھول کر) چاچا..... آپ..... آیئے آیئے۔ (دلیر خاں اندر داخل ہوتا ہے۔ ساجد اس کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرکے پوچھتا ہے۔) فرمایئے چاچا.....

دلیر خاں : اسرار احمد سے ملنا تھا۔

ساجد : ابو..... شاید آرام کررہے ہوں گے..... ٹھہریے میں دیکھتا ہوں۔ (اندر جاتا ہے۔)

زاہد علی : (دلیر خاں سے) آج اخبار میں آپ کی بیٹی کے تعلق سے خبر پڑھی..... بڑا افسوس ہوا۔

دلیر خاں : سب تقدیر کا کھیل ہے۔

زاہد علی : اچھا..... (ساجد اندر داخل ہوتا ہے۔)

ساجد : (دلیر خاں سے) ابو تو ابھی آرام کررہے ہیں..... کہیے تو جگادوں.....

دلیر خاں : نہیں..... انہیں آرام کرنے دیجیے..... میں پھر آجاؤں گا۔

ساجد : ٹھیک ہے..... ویسے چاچا..... کام کیا تھا.....؟

دلیر خاں : سارا قصہ تو تمہیں معلوم ہی ہوگا۔

ساجد : جی ہاں.....

دلیر خاں : شمس النساء کے سسرال والوں کی پہنچ اوپر تک ہے..... وہ لوگ اثر ورسوخ والے ہیں..... اسی لیے شاید پولیس والے کیس رجسٹرڈ کرنے میں تاخیر کررہے ہیں..... ابھی تک کوئی گرفتاری بھی نہیں ہوئی.....

ساجد : کیس تو ان کو رجسٹرڈ کرنا ہوگا ہی..... پورے شہر میں اس واقعہ کا چرچا ہورہا ہے۔

دلیر خاں : غریب کی آواز جلد کہاں سنی جاتی ہے۔

ساجد : غریب ہو یا امیر..... قانون سب کے لیے ہے۔

دلیر خاں : (تذبذب کے ساتھ) میں سوچ رہا تھا..... اسرار احمد اگر پولیس اسٹیشن ساتھ چلتے تو کچھ اثر پڑتا.....

زاہد علی : آپ فکر نہ کریں..... چچا جان آرام کر رہے ہیں..... لیکن میں آپ کے ساتھ چلوں گا..... کیس تو رجسٹرڈ کرنا ہی ہوگا انھیں..... اور

خاطیوں کو گرفتار بھی کرنا ہوگا.....

دلیر خاں : میں بڑا مشکور ہوں گا بیٹے تمہارا.....

زاہد علی : ایسا مت کہیے..... یہ تو ہر ایک کا فرض ہے۔

ساجد : چاچا..... پولیس کیس تو ہو جائے گا.....لیکن اس کے بعد دونوں خاندانوں میں دراڑ پیدا ہو جائے گی.....

دلیر خاں : ایسا تو ہوگا ہی .....

ساجد : شمس النساء کا کیا ہوگا.....کیا اس کا شوہر اسے قبول کرے گا ؟

دلیر خاں : اس کے شوہر نے اسے قبول ہی کب کیا تھا.....شادی کے بعد سے سسرال میں مسلسل شمس النساء پر ظلم ہوتا رہا..... اس کا شوہر بھی ظالموں میں شامل تھا..... زہر کھلانے کی منصوبہ بندی میں وہ بھی شریک تھا.....حق بات کے لیے طرف داری کرنے کی بجائے دوسروں کے سُر میں سُر ملا کر وہ اپنی بیوی کی مخالفت پر اتر آتا.....کیا وہ شوہر کہلانے کا حقدار ہے..... وہ اگر قانون کے ڈر سے اسے اپنانے کے لیے راضی ہو بھی جائے تو اس کا کیا مطلب رہ جائے گا.....جس وقت اسے شوہر بننا چاہیے تھا تب نہیں بنا.....اب کیا بنے گا.....۔

ساجد : لیکن.....آپ کی بیٹی کی پوری زندگی کا سوال ہے۔

دلیر خاں : میں جانتا ہوں.....لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ جس نے اسے پیدا کیا ہے..... وہی اس کی گزر بسر کا بندوبست بھی کرے گا.....۔

زاہد علی : (ساجد کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں) لیکن لوگ تو بیٹی کو بوجھ سمجھتے ہیں۔

دلیر خاں : بیٹی بوجھ نہیں ہوتی..... خدا کی رحمت ہوتی ہے..... میرے چار بیٹے ہیں.....لیکن انھوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا یہ سب کو اچھی طرح معلوم ہے..... زبردستی پوری جائیداد اپنے نام لکھوالی..... میں زندہ ہوں یا مردہ.....کوئی پلٹ کر دیکھتا تک نہیں.....لیکن میری بیٹی ہمیشہ میرا حال پوچھتی رہی..... دکھ کی گھڑی میں میرا حوصلہ بڑھاتی رہی..... بیٹی قسمت والوں کے گھر آتی ہے.....

ساجد : یہ مکمل سچائی نہیں ہے..... بیٹے بھی تو اپنے والدین کا سہارا بنتے ہیں۔

دلیر خاں : ایسے بیٹے کھانے میں نمک کے برابر ہیں ورنہ عام طور پر یہی دیکھا جاتا ہے کہ ادھر شادی ہوئی ادھر اپنی بیوی کو الگ لے کر رہنے کا منصوبہ بن جاتا ہے اور کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اپنی دنیا الگ بسالی جاتی ہے ماں باپ سے دور..... وہ تو کمانا شروع کرتے ہی ماں باپ کو بوجھ سمجھنے لگتا ہے.....۔

ساجد : آپ کے بیٹوں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی.....اس لیے آپ ایسا کہہ رہے ہیں..... ورنہ ہر گھر میں تو ایسا نہیں ہوتا.....

دلیر خاں : میں نے موجودہ معاشرے کا مطالعہ کیا ہے..... حالات کو دیکھا ہے..... اسی لیے تمہارے سامنے اپنے احساسات کا جائزہ پیش کر رہا ہوں..... سنا تو یہ بھی گیا ہے میاں..... کہ بڑے شہروں میں ایسے گھر بنا دیے گئے ہیں جہاں بوڑھے ماں باپ کو لا کر چھوڑ دیا جاتا ہے.....اب تم بتاؤ کہ بوڑھے ماں باپ کے دل پر کیا گزرتی ہوگی..... ان کا تو یہ خواب ہوگا..... کہ وہ بوڑھے ہو جائیں گے تو ان کے بیٹے ان کی خدمت کریں گے..... پوتا پوتی کو وہ اپنی گود میں کھلائیں گے.....انہیں کہانیاں سنائیں گے..... معذور سانسیں..... لاچار زندگی.....

ساجد : چاچا.....آپ برا مت مانیے.....آپ کے حالات ایسے ہیں کہ خود آپ کا گزارہ مشکل سے ہوتا ہے پھر شمس النساء کے گزارے کا کیا ہوگا.....؟

دلیر خاں : بیٹے ساجد..... گائے کے سینگ گائے پر بوجھ نہیں ہوتے بلکہ دشمن سے مقابلہ کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں، ہم دونوں باپ بیٹی مل کر حالات کا مقابلہ کریں گے..... اللہ بڑا کارساز ہے..... ویسے بھی میری بیٹی ہُنر مند ہے.....ٹیلرنگ کا کام جانتی ہے.....کشیدہ کاری میں

ماہر ہے.....کوئی نہ کوئی راستہ مل ہی جائے گا.....۔

زاہدعلی : میں آپ کی ہمت اور بیٹی کے لیے آپ کے روشن خیالات کی قدر کرتا ہوں..... میں آپ کے مضبوط ارادوں کو سلام کرتا ہوں..... (ساجد کی طرف دیکھتے ہوئے) کاش ہر کوئی آپ کی طرح سوچنے لگے.....!

دلیر خاں : اگر آپ مناسب سمجھیں تو اب ہم کو چلنا چاہیے۔

زاہدعلی : ہاں ہاں ضرور..... راستے میں میرے ایک وکیل دوست کا وکالت خانہ ہے..... ان سے کچھ مشورہ کر کے ہم پولیس اسٹیشن جائیں گے.....۔

دلیر خاں : ٹھیک ہے.....

زاہدعلی : (ساجد کو ایک طرف لیجا کر) ایک بار پھر سوچ لو..... اور میری باتوں پر غور کرو..... (ساجد کچھ نہیں کہتا۔ صرف سر ہلا کر رہ جاتا ہے۔) اچھا دوست.....اب ہم چلتے ہیں۔

ساجد : ٹھیک ہے.....

(زاہدعلی اور دلیر خاں چلے جاتے ہیں۔ ساجد ان کو دروازے تک چھوڑتا ہے۔ واپس آ کر اسٹیج کے بیچ میں کھڑا ہوجاتا ہے۔ کچھ سوچتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔ بیک گراؤنڈ میں گیت سنائی دیتا ہے.....لڑکی صرف اپنا سر گھما کر ساجد کی طرف دیکھنے لگتی ہے۔)

دیکھ اے آسماں

بے رحم ہوگیا یہ جہاں

پاپا میری طرف دیکھیے

میرے بارے میں کچھ سوچیے

سانس لینے مجھے دیجیے

قتل میرا نہ یوں کیجیے

آپ کے سامنے لائی فریاد ہے بے زباں

(گیت ختم ہوجاتا ہے۔لڑکی دوبارہ سامنے دیکھنے لگتی ہے.....ساجد اندرونی دروازے کی طرف دیکھ کر آواز لگاتا ہے)

ساجد : امی جان.....(اندر سے ظاہرہ بیگم کی آواز آتی ہے''ہاں بیٹے'')

ظاہرہ بیگم : (اندر داخل ہوکر) دلیر خاں بھائی کی آواز آرہی تھی..... چلے گئے.....؟

ساجد : ہاں چلے گئے.....

ظاہرہ بیگم : اور کون تھا.....؟

ساجد : میرا دوست زاہدعلی۔

ظاہرہ بیگم : بڑی جوشیلی باتیں کررہے تھے دلیر خاں بھائی۔

ساجد : زاہدعلی بھی مجھے بڑی نصیحت کررہا تھا.....

ظاہرہ بیگم : دنیا والے کچھ بھی کہتے رہیں گے.....کرنا وہی چاہیے جو ہم کو صحیح لگے۔

ساجد : جی امی جان.....

ظاہرہ بیگم : نجمہ.....چلو بیٹی.....(نجمہ برقعہ پہنے اندر آتی ہے)

نجمہ : (اندر آکر) جی امی جان

طاہرہ بیگم : (ساجد سے) میں انھیں خبر کر دیتی ہوں۔ (اندر جاتی ہے۔)

نجمہ : (ساجد سے ملتجیانہ لہجے میں) دیکھیے امی جان کی ضد اور آپ کے حکم کے سامنے میں نے سر تو جھکا لیا مگر.....آپ ایکبار اور غور کرلیجیے میری التجا پر۔

ساجد : اب نکلتے وقت کوئی تماشہ مت کرو..... جو بات طے ہوگئی سو ہوگئی.....

نجمہ : (اداس لہجے میں) آپ کی مرضی۔

(طاہرہ بیگم، ساجد اور نجمہ تینوں باہر نکل جاتے ہیں۔لڑکی تینوں کو باہر جاتا ہوا دیکھ رہی ہے۔)

(اسٹیج کی روشنی کا رنگ سُرخ ہوجاتا ہے۔لڑکی رونے لگتی ہے۔ تیز موسیقی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ساتھ ہی بجلی کڑکنے کی آواز بھی آنے لگتی ہے۔لڑکی خوفزدہ نظر آرہی ہے۔

لڑکی : (سہمی ہوئی آواز میں) کون ہے.....کون ہے..... یہ میری طرف بڑھتے ہوئے خوفناک ہاتھ کس کے ہیں کون ہے جو میرے وجود کو فنا کررہا ہے..... یہ میری سانسیں کیوں رکنے لگی ہیں..... میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کون کررہا ہے..... جواب دو.....(چیختی آواز میں) کون ہے..... (روتے ہوئے) میرا دم گھٹ رہا ہے..... مجھے بچاؤ..... مجھے بچاؤ.....کوئی مجھے بچاتا کیوں نہیں.....کوئی مجھے قتل کررہا ہے..... مجھے بچاؤ..... مجھے بچاؤ..... پپا..... ماں..... ماں..... ماں.....(لڑکی کی آواز ڈوبنے لگتی ہے وہ نیچے گر کر تڑپنے لگتی ہے۔ پھر اٹھنے کی کوشش کرتی ہے۔اس کے پیر لڑکھڑا رہے ہیں۔اسی دوران گیت سنائی دیتا ہے)

دیکھ اے آسماں
بے رحم ہوگیا ہے یہ جہاں
رو رہی ہے زمیں
رو رہا ہے میرا دل یہاں
دیکھ اے ....
سوچتی تھی کلی میں بنوں
اپنے آنگن میں، میں بھی کھلوں
ساری دنیا کے دکھ بھول کر
ماں کی چھاتی سے لپٹی رہوں
جل گیا خواب اک، اٹھ رہا ہر طرف ہے دھواں

(گیت ختم ہوجاتا ہے۔گیت ختم ہوتے ہوتے لڑکی تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیتی ہے۔ اسٹیج کی روشنی ختم ہوجاتی ہے۔ اسٹیج پر مکمل اندھیرا چھا جاتا ہے..... بیک گراؤنڈ آواز گونجنے لگتی ہے۔)

بیک گراؤنڈ آواز : اس طرح ایک بے قصور لڑکی کے وجود کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی ختم کردیا گیا۔ دو سال بعد ساجد کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا ''ماجد'‘..... ساجد نے اپنے بیٹے کو خوب پڑھایا لکھایا اور اپنا سب کچھ اس کے نام کردیا۔ اسی دوران طاہرہ بیگم اور اسرار احمد کا انتقال ہوگیا.....ساجد نے بڑی دھوم دھام کے ساتھ ماجد کی شادی اونچے گھرانے کی اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی سے کردی۔ ماجد اور اس کی بیوی نغمہ ایک ہی کمپنی میں ملازمت کرتے تھے۔ ماجد کی شادی کے کچھ دنوں بعد ہی نجمہ بھی اس دار فانی سے کوچ کرگئی۔ ماجد اور اس کی بیوی

کا رویہ ساجد کے ساتھ بہت خراب تھا۔ اسی لیے ساجد اور ماجد میں آئے دن بحث وتکرار ہوا کرتی تھی۔ اٹھائیس سال بعد ایک دن.....

(بیک گراؤنڈ آواز بند ہوجاتی ہے۔ اسٹیج پر دھیرے دھیرے روشنی ہونے لگتی ہے۔ ساجد کے گھر کے ڈرائینگ روم کا وہی منظر ہے۔ صوفہ تبدیل ہوگیا ہے۔ تخت بھی نہیں ہے۔ صرف ایک آرام کرسی رکھی ہے جس پر ساجد آرام کررہا ہے۔ ساجد کے بالوں سے سفیدی جھلک رہی ہے اور چہرے پر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہیں۔ ماجد اندرونی دروازے سے اندر داخل ہوتا ہے۔)

ماجد : (ساجد کو جگاتے ہوئے) اٹھیے.....

ساجد : (ہڑبڑا کر جاگتے ہوئے) اب کیا ہوا بیٹا.....؟ سب کچھ تو تمہارے نام کردیا ہے۔

ماجد : کون سا احسان کیا ہے۔ سبھی ماں باپ ایسا کرتے ہیں۔

ساجد : لیکن سبھی کی اولاد تم جیسا برتاؤ نہیں کرتی..... میں نے تو سوچا تھا کہ تم میرے بڑھاپے کی لاٹھی بنوگے..... مگر لاٹھی تو دور..... تم تو میرے پیر ہی کاٹنے بیٹھے ہو..... نوکر سے بھی بدتر زندگی گزار رہا ہوں میں اس گھر میں..... اپنا جھوٹا کھلاتے ہو..... اپنا جھوٹا پلاتے ہو..... شرم نہیں آتی اپنے باپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہوئے.....۔

(دونوں کی تیز آواز سن کر ماجد کی بیوی نغمہ اندر آتی ہے۔)

نغمہ : اب صبح صبح کیا ہوگیا۔

ماجد : ہوتا کیا..... (ساجد کی طرف اشارہ کرکے) انھوں نے رحمت خاں سے ادھار لیا تھا اس نے جب اپنے پیسوں کا مطالبہ کیا تو اس کو چیک دیدیا..... وہ چیک باؤنس ہوگیا..... اب رحمت خاں دھمکی دے رہا ہے کہ فوراً اس کے پیسے اگر اسے نہیں لوٹائے گئے تو وہ پولیس کیس کرے گا..... کتنی بدنامی ہوگی ہماری.....

نغمہ : ذرا سوچو..... میرے ڈیڈی کی عزت تو خاک میں مل جائے گی..... ان کا سمدھی اور ایسی حرکت..... ! شہر میں کتنا اونچا مقام ہے ڈیڈی کا.....۔

ماجد : انھیں اس سے کیا..... چاروں طرف سے مریں گے تو ہم ہی۔

ساجد : لیکن ایسا کون سا اتنا بڑا گناہ کردیا ہے میں نے..... جو تم آگ بگولہ ہورہے ہو۔

نغمہ : ہمیشہ کوئی نہ کوئی تماشا کھڑا کردیتے ہیں آپ.....

ماجد : آپ کی وجہ سے ہماری زندگی تلخ ہوگئی ہے۔ میں اب اور زیادہ برداشت نہیں کرسکتا..... آپ چلے جائیے..... اس گھر سے چلے جائیے اور ہمیں سکون سے رہنے دیجیے۔ (چہرہ دوسری طرف کرلیتا ہے۔)

ساجد : میں سب سمجھ رہا ہوں..... میں تمہاری نظروں میں اس لیے کھٹک رہا ہوں کیوں کہ میری وجہ سے تمہیں گلچھرے اڑانے کا موقع نہیں ملتا..... تمہیں آزادی چاہیے.....

نغمہ : ہاں چاہیے۔ (غصے سے) کیا ہماری اپنی کوئی زندگی نہیں ؟..... کیا ہمیں آزادی کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کا حق نہیں.....؟ ہر بات میں آپ ٹوکتے ہیں..... ہر کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ (ماجد سے) دیکھو ماجد آج تمہیں فیصلہ کرنا ہی پڑے گا..... باپ چاہیے یا بیوی۔

ماجد : (پلٹ کر ساجد سے) میں فیصلہ کر چکا ہوں.....اب آپ ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتے۔

ساجد : مجھے گھر سے نکالو گے.....میں تمہارا باپ ہوں.....تم میرے بیٹے ہو بیٹے۔

ماجد : تو کب تک آپ مجھے بیٹا ہونے کی سزا دیتے رہیں گے..... اب بہت ہو چکا.....آپ چلے جایئے۔ اتنے دنوں سے ہم آپ کو برداشت کر رہے ہیں لیکن اب.....اب آپ ناقابل برداشت ہو چکے ہیں.....(غصے سے) چلے جایئے یہاں سے.....ورنہ۔

ساجد : (حقارت آمیز لہجے میں) ورنہ تم زبردستی نکالو گے مجھے.....ارے تم کیا نکالو گے..... میں خود چلا جاتا ہوں یہاں سے.....کاش تم پیدا ہونے سے پہلے ہی مر گئے ہوتے.....لعنت ہے ایسی اولاد پر..... میں جانتا ہوں یہ میرے ایک بدترین گناہ کی سزا مل رہی ہے..... تیری شکل میں خدا نے اپنا عذاب مجھ پر نازل کیا ہے.....خدایا رحم.....(ساجد باہر جانے لگتا ہے۔ اسٹیج کے ایک کونے سے دھواں نکلنے لگتا ہے، اس دھویں کے بیچ سے وہی علامتی لڑکی نمودار ہوتی ہے۔ اور اسٹیج کے سامنے والے حصے میں آ کر مسکراتے ہوئے کہتی ہے)

لڑکی : پپا.....آپ کو بیٹا چاہیے تھا نا.....۔

﴿پردہ گرتا ہے﴾

الفاظ معانی

احتجاج مخالفت **روہانسی** روتی صورت **تجسس** تلاش، کھوج **تشویش** پریشانی **ساقط** مسترد **ملتجی** **التجا کرنے والا۔**

مشق

1. مندرجہ ذیل سوالوں کے ایک جملے میں جواب لکھیے :

(1) نجمہ اپنی ساس سے کیا التجا کرتی ہے؟

(2) اسرار احمد نے اپنی بیوی کو کونسی خبر پڑھ کر سنائی ؟

(3) شمس النساء کے سسرال والوں نے کس چیز کا تقاضا کیا تھا ؟

(4) شمس النساء کونسے ہُنر جانتی تھی ؟

2. مندرجہ ذیل سوالوں کے دو-تین جملوں میں جواب لکھیے :

(1) لڑکی اپنی ماں کا کس طرح حوصلہ بڑھاتی ہے؟

(2) لڑکی دادی جان سے کیا التجا کرتی ہے؟

(3) اس ڈرامے میں شمس النساء جیسی دوسری مظلوم لڑکیوں کا ذکر کیا ہے اُسے بیان کیجیے۔

(4) ظاہرہ بیگم ایسا کیوں چاہتی ہیں کہ اُن کی بہو بیٹے کو ہی جنم دے۔

(5) 'بیٹی، بیٹے سے کم نہیں' یہ بات اس ڈرامے کے کس فقرے میں پوشیدہ ہے؟

(6) 28، سال کے بعد ساجد کو اپنے بدترین گناہ کی کیا سزا ملی ؟

3. **مندرجہ ذیل سوالوں کے تفصیل سے جواب لکھیے :**

(1) ''بیٹی مصیبتوں کا پہاڑ کھڑا کردیتی ہے'' اس کے جواب میں لڑکی کیا کہتی ہے ؟

(2) زاہد علی اور ساجد کے درمیان جو مکالمے ہوئے اس کا خلاصہ لکھیے۔

(3) کہانی کا عنوان اور دلیر خاں کی سوچ میں کیا تعلق ہے؟ بتائیے۔

(4) پہلے گیت کا خیال اپنی زبان میں لکھیے۔

4. **جملے بنائیے :**

(1) آگ بگولہ ہونا

(2) اُنگلیاں اُٹھانا

5. **متضاد الفاظ لکھیے :**

زندگی ، بہار ، کمزوری ، اقرار ، بلند ، فنا ، تلخ ، اندرونی

6. **سبق میں دیگر محاورے تلاش کرکے جملے میں استعمال کیجیے۔**

7. **الفاظ کی ترکیب سمجھائیے :**

زودکوب ، کارساز ، سراسیمگی ، ملتجیانا

8. **''میرا فیصلہ اٹل ہے۔'' اس جملے کے خط کشیدہ لفظ پر غور کیجیے۔**

اٹل = صفت منفی ہے، جو ٹل نہ سکے۔

ہندی سابقہ لگایا گیا ہے۔

9. **مندرجہ ذیل جملے کس کردار نے، کس سے کہے ہیں، بتائیے :**

(1) آپ کو کوئی احساس نہیں ہوتا۔

(2) شکر ہے بروقت علاج سے جان بچ گئی۔

(3) ادھر بیٹی پیدا ہوئی، ادھر مصیبتوں کا پہاڑ کھڑا ہوگیا۔

(4) تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے جو تم ایسے بھیانک گناہ کے مرتکب ہو رہے ہو۔

(5) سب تقدیر کا کھیل ہے۔

10. **مندرجہ ذیل مترادف الفاظ سے جوڑیاں بنائیے :**

رفیق	پریشانی	بدمزہ
سراسیمگی	کڑوا	تنخواہ
وظیفہ	دوست	حیرانی
تلخ	پینشن	حبیب

●

20 میرے عہد کے حسینو (نظم)

ساحؔر لدھیانوی

پیدائش : 8 مارچ 1921ء، لدھیانہ وفات : 25 اکتوبر 1980ء

عبدالحیٔ نام، ساحؔر تخلص، لدھیانہ کے ایک انتہائی متمول اور خوش حال جاگیردار خاندان میں پیدا ہوئے۔ والد اور والدہ کے کشیدہ تعلقات جب ناقابلِ برداشت ہوگئے تو ساحؔر کی والدہ نے علیٰحدگی اختیار کرلی۔ ساحؔر نے والدہ اور ماموں کے زیرِ سایہ پرورش پائی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد لاہور میں ''ادبِ لطیف'' اور ''سویرا'' میں بحیثیت مُدیر کام کیا۔ تقسیمِ ہند کے بعد 'شاہراہ' کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ پھر بمبئی پہنچے جہاں فلمی دنیا نے اُن کی پذیرائی کی۔ ساحؔر فلمی دنیا کے سب سے زیادہ باعزت اور مقبول گیت کار تھے۔

ساحؔر لدھیانوی کے تعلق سے ایک بات جو بغیر پس وپیش کے کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ وہ اپنی زندگی میں اُردو کے مقبول ترین شاعر تھے۔ اُن کی شہرت ایسی ہی تھی جو فلم اسٹاروں یا معزز ترین لیڈروں کو نصیب ہوتی ہے۔

ساحؔر لدھیانوی کو حکومت ہند نے 1971ء میں پدم شری کا اعزاز عطا کیا۔ 1972 میں سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ ملا۔

تصانیف : تلخیاں، گاتا جائے بنجارہ، آؤ کہ کوئی خواب بُنیں، آخری نذرانے اور کلیات۔

وہ ستارے جن کی خاطر کئی بے قرار صدیاں
مِری تیرہ بخت دنیا میں ستارہ وار جاگیں
کبھی رفعتوں پہ لپکیں، کبھی وسعتوں سے اُلجھیں
کبھی سوگوار سوئیں، کبھی نغمہ بار جاگیں

وہ بلند بام تارے وہ فلک مقام تارے
وہ نشان دے کے اپنا رہے بے نشاں ہمیشہ
وہ حسیں، وہ نُور زادے، وہ خلاء کے شاہزادے
جو ہماری قسمتوں پر رہے حکمراں ہمیشہ

جنہیں مضمحل دلوں نے ابدی پناہ جانا
تھکے ہارے قافلوں نے جنہیں خضرِ راہ جانا

جنہیں گم سِنوں نے چاہا کہ لپک کے پیار کرلیں
جنہیں مہوشوں نے مانگا کہ گلے کا ہار کرلیں
جنہیں عاشقوں نے چاہا کہ فلک سے توڑ لائیں

کسی راہ میں بچھائیں، کسی سیج پر سجائیں
جنہیں بُت گروں نے چاہا کہ صنم بنا کے پوجیں
یہ جو دُور کے حسیں ہیں انہیں پاس لا کے پوجیں
جنہیں مُطربوں نے چاہا کہ صداؤں میں پرولیں
جنہیں شاعروں نے چاہا کہ خیال میں سمولیں

جو ہزار کوششوں پر بھی شُمار میں نہ آئے
کبھی خاک بے بضاعت کے دیار میں نہ آئے
جو ہماری دسترس سے رہے دُور دُور اب تک
ہمیں دیکھتے رہے ہیں جو بصد غرور اب تک

مِرے عہد کے حسینو! وہ نظر نواز تارے
مِرا دَورِ عشق پرور تمہیں نذر دے رہا ہے
وہ جنوں جو آب وآتش کو اسیر کر چکا تھا!
وہ خلاء کی وسعتوں سے بھی خراج لے رہا ہے

مِرے ساتھ رہنے والو! مِرے بعد آنے والو
میرے دَور کا یہ تحفہ تمہیں سازگار آئے
کبھی تم خلاء سے گزرو کسی سیم تن کی خاطر
کبھی تم کو دل میں رکھ کر کوئی گُل عذار آئے

الفاظ ومعانی

تیرہ بخت بدقسمت، بدبخت **رفعت** بلندی، اونچائی **سوگوار** غمگین، مغموم **مضمحل** کمزور، لاغر **مضمحل ہونا** (محاورہ) نڈھال ہونا **ابد** ہمیشگی، وہ زمانہ جس کی انتہا نہ ہو **مہوش** مہ+ہوش= چاند جیسا، محبوب **بت گر** مورتی بنانے والا، مجسمہ ساز **مطرب** خوش کرنے والا، گویّا، قوال **بضاعت** پونجی، سرمایہ، دھن دولت، حصّہ **اسیر** قیدی **خراج لینا** (محاورہ) وصول کرنا **سیم تن** گورا چٹّا، خوبصورت، معشوق **گل عذار** پھول جیسے رخساروں والا، لال لال گالوں والا، خوبصورت (معشوق)۔

مشق

.1 **دیے گئے سوالوں کے جواب ایک جملے میں دیجیے:**

(1) ستاروں کی خاطر شاعر کی دنیا کس طرح گزری؟

(2) 'نورزادے' شاعر نے کیسے کہا ہے؟

(3) عاشقوں نے اور مہوشوں نے ستاروں کو دیکھ کر کیا تمنّا کی؟

(4) ستاروں کو دیکھ کر بت گروں نے کیا خواہش کی؟

.2 **دیے گئے سوالوں کے جواب دو تین جملوں میں دیجیے:**

(1) ہماری قسمتوں پر کون حکمران رہا؟ ایسا شاعر نے کیوں کہا ہے؟

(2) قافلے والوں نے ستاروں کو خضرِ راہ کیوں سمجھا ہے؟

(3) ستارے ہماری دست رس سے ابھی تک کیوں دؤر دؤر رہے۔ سمجھائیے۔

.3 **تشریح کیجیے:**

(1) جنھیں مضمحل دلوں نے ابدی پناہ جانا
تھکے ہارے قافلوں نے جنھیں خضرِ راہ جانا
جنھیں کم سِنوں نے چاہا کہ لپک کے پیار کرلیں
جنھیں مہوشوں نے مانگا کہ گلے کا ہار کرلیں
جنھیں عاشقوں نے چاہا کہ فلک سے توڑ لائیں

(2) مِرے ساتھ رہنے والو! مِرے بعد آنے والو
میرے دَور کا یہ تحفہ تمھیں سازگار آئے
کبھی تم خلاء سے گزرو کسی سیم تن کی خاطر
کبھی تم دل میں رکھ کر کوئی گُل عذار آئے

●

21 غزل

عزیزؔ نبیل

پیدائش : 1976ء، بمبئی

شاعر محقق اور صحافی عزیزؔ نبیل جدید اردو ادب کا ایک بہت اہم اور نمایاں نام ہے۔ نبیلؔ کی ابتدائی تعلیم جامعہ الفلاح اعظم گڑھ میں ہوئی جب کہ اعلیٰ تعلیم جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی سے مکمل کی۔ آپ 1999ء سے دوحہ قطر میں برسر روزگار ہیں۔

نبیلؔ کے تخلیقی اظہار میں ایسے لفظ کثرت سے پائے جاتے ہیں جو اردو کی قدیم وجدید غزلیہ تاریخ میں کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مگر نبیلؔ ان کا استعمال اس ہنرمندی اور چابکدستی کے ساتھ کرتے ہیں کہ تمام قسم کے سماجی، سیاسی اور تہذیبی موضوعات ایک خاص انفرادی تجربہ بن کر نمایاں ہوتے ہیں۔

نبیلؔ کے شعری مجموعہ ''خواب اور سمندر'' نے بے انتہا مقبولیت حاصل کی ہے۔ موصوف ومعروف عالمی رسالہ مجلّہ ''دستاویز'' کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ دو ضخیم نمبر ''یادِ رفتگان'' اور ''اردو کے اہم ادبی رسائل وجرائد'' نمبر کو دنیا بھر کے ادب شناسوں نے قدر کی منزلوں سے دیکھا اور سراہا ہے۔

نبیلؔ کو ادبی خدمات کے صلہ میں مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکیڈمی نے ''ساحر لدھیانوی ایوارڈ'' عطا کیا۔ نیز ''عبد الغفور شہباز ایوارڈ'' بہار اکیڈمی، ''فراق گورکھپوری ایوارڈ''، دہلی، ''امام بخش ناسخ ایوارڈ'' مدھیہ پردیش سے بھی نوازا گیا ہے۔

تب کہیں جھکایا سر غرورِ شاہی نے
جب اٹھا لیا سر پر تخت بے گناہی نے

راستے رفاقت کے بند کردیے سارے
اُس کی کج ادائی نے میری کج کلاہی نے

کیا عجب عدالت ہے کیا عجیب منصف ہیں
دن کو قید میں ڈالا رات کی گواہی نے

اک نگینۂ فن کو خاک میں ملا ڈالا
جوہری کی کم علمی اور کم نگاہی نے

پھر اُس منافق کی رہبری میں چلنا ہے
کچھ نہیں کیا اب تک جس کی سربراہی نے

میں یونہی بہت اچھا دوستو خدا حافظ
خاک کردیا مجھ کو رسمِ خیر خواہی نے

الفاظ ومعانی

رفاقت وفاداری **کج ادائی** بے وفائی **کج کلاہی** بانکپن، خودنمائی **منصف** انصاف کرنے والا **جوہری** جواہرات کا سوداگر، کسی چیز کی خوبی یا عیب کی پرکھ رکھنے والا **منافق** نفاق رکھنے والا، ریاکار **سربراہ** منتظم، انتظام کرنے والا۔

مشق

.1 دیے گئے سوالوں کے جواب ایک جملے میں دیجیے:

(1) غرورِ شاہی نے اپنا سر کب جھکایا ہے؟

(2) نگینۂ فن کو کس نے خاک میں ملا ڈالا؟

(3) شاعر دوستوں کو خدا حافظ کیوں کہتا ہے؟

.2 اشعار کی تشریح کیجیے:

(1) تب کہیں جھکایا ہے سر غرورِ شاہی نے
جب اٹھالیا سر پر تخت بے گناہی نے

(2) کیا عجب عدالت ہے کیا عجب منصف ہیں
دن کو قید میں ڈالا رات کی گواہی نے

.3 دیے گئے سوالوں کے جواب تین چار جملوں میں دیجیے:

(1) ''راستے رفاقت کے بند کردیے سارے'' سے کیا مراد ہے؟

(2) شاعر نے رہبر کو منافق کیوں کہا ہے؟ سمجھائیے۔

(3) ''رسمِ خیر خواہی'' سے شاعر کیوں نالاں نظر آتا ہے؟

●

22 ابو ریحان بیرونی (خاکہ)

مولوی عبدالحق

پیدائش : 1870ء وفات : 1961ء

مولوی عبدالحق سر سیّد کے تربیت یافتہ اور علی گڑھ کے گریجویٹ تھے۔ ساری زندگی اردو کی خدمت کے لیے وقف کردی۔ مولوی عبدالحق زبردست محقق، نقاد اور صاحب تصنیف تھے۔ ان کی تحریر بڑی رواں، عام فہم اور بلیغ ہوتی تھی۔ عبارت بھی بہت کسی ہوئی ہوتی تھی۔ ''اُردو کے نشو نما میں صوفیا کا حصّہ''، ''مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر'' اور ''نصرتی'' ان کی محققانہ اور قابلِ قدر تصانیف ہیں۔ انہوں نے مضامین لکھے، خطبات دیے اور کتابوں پر مقدمات لکھے ہیں۔ یہ تمام چیزیں زیورِطبع سے آراستہ ہوچکی ہیں۔ علاوہ ازیں خطوط کے مجموعے مکتوبات عبدالحق مکاتیب بابائے اُردو وغیرہ شائع ہو چکے ہیں۔

یہ مضمون ابو ریحان بیرونی غزنوی دور کی مشہور علمی وتحقیقی شخصیت کے متعلق ہے۔ بیرونی مؤرخ، ماہرِ علم نجوم اور مشہور وقائع نگار تھا۔ اس نے ہندوستان کے پنڈتوں اور عالموں سے سنسکرت سیکھی اور ''کتاب الہند'' تصنیف کی جو ہندوستان کے مذاہب، معاشرت، رسم ورواج، تاریخ سب پر حاوی ہے۔ مولوی عبدالحق نے اسی مشہور شخصیت کے متعلق یہ مضمون لکھا ہے اور ہندوستان عوام کو اس مشہور عالم سے روشناس کرایا ہے۔

ابو ریحان بیرونی ایک ایسا زبردست فاضل اور حکیم گزرا ہے کہ اس کی مثال ہمارے ملک میں تو کیا دوسرے ممالک میں بھی مشکل سے ملتی ہے۔ یہ فاضل یگانہ مضافات خوارزم کے ایک قریے بیرؤن نام میں پیدا ہوا۔ سنۂ ولادت 362 ہجری ہے۔ خوارزم کا ملک خطِ استوا میں واقع ہے۔ تاریخ سے پتہ نہیں چلتا کہ یہ ہونہار بچّہ جو آگے چل کر ایک بڑا عالم ہونے والا ہے کس گھر کا چراغ تھا، کن گودوں میں پلا، کن رفیقوں کی صحبت میں رہا اور کن استادوں کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جس گھرانے میں اِس نے پرورش پائی وہ متموّل یا سربرآوردہ نہ تھا۔

اگرچہ اسلام کا تسلّط وسط ایشیا کے ممالک بخارا وخوارزم پر پہلی صدی کے آخر میں ہوا، لیکن تھوڑے ہی زمانے کے بعد ان ممالک نے علم وفضل میں وہ شہرت حاصل کی کہ دور دور سے طالبانِ علم اپنی پیاس بجھانے یہاں آنے لگے، چوتھی صدی ہجری میں خوارزم پر اہلِ عراق کی حکومت تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں بیرونی پیدا ہوا۔ تحصیل علم کی اور نشوونما پائی۔ تیئیس برس کی عمر تک بیرونی اپنے وطن ہی میں رہا، لیکن ملک کی پریشان حالی اور اپنے مربّیوں کے تباہ ہونے پر اسے مجبوراً وطن ترک کرنا پڑا اور غریب الوطنی کی مصیبتیں اور پریشانیاں سہتا ہوا شہر رے پہنچا وہاں کچھ دنوں تک افلاس ودرماندگی کی حالت میں رہا۔

کسی ذریعے سے طبرستان کے حاکم شمس المعالی کو جو خود بڑا عالم اور ادیب تھا بیرونی کے علم وفضل کا حال معلوم ہوا تو اس نے بیرونی کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ بیرونی پھرتا پھراتا وہاں جانکا تو وہاں والوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور کئی سال تک وہ وہاں اطمینان اور سکون سے رہا۔

شمس المعالی کی وفات کے بعد وہ اپنے وطن خوارزم پہنچا۔ خوارزم کا بادشاہ علی بن مامون بڑا علم دوست اور ہُنر پرور تھا۔ بیرونی یہاں 408ھ یعنی آلِ مامون کی حکومت کے خاتمے تک فارغ البالی اور نہایت عزّت وقدرت کے ساتھ اپنی علمی زندگی بسر کرتا رہا۔ ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ اسی زمانے میں حکیم ابن سینا بھی بخارا سے علی بن مامون کے دربار میں پہنچا اور اس بادشاہ کی سرپرستی اور علم پروری سے علمی دنیا کے یہ دو روشن ستارے ایک جگہ جمع ہوگئے۔ ان دونوں میں وہاں کچھ علمی بحثیں بھی ہوئیں جن کا بہت دنوں تک چرچا رہا۔ مگر یہ شاندار علمی مجلس انقلاباتِ زمانہ سے زیادہ مدّت تک

محفوظ نہ رہ سکی۔ ان دنوں محمود غزنوی کا ستارہ اوج پر تھا۔ اس کی قوت اور سطوت کے آگے خوارزم کی کیا حقیقت تھی، آخر خوارزم کی بادشاہت کا خاتمہ ہوا اور یہ ملک بھی محمودی سلطنت میں شامل ہوگیا۔ اور بیرونی بھی دوسرے مشاہیر کے ساتھ محمود کے ہمراہ غزنی پہنچا۔ محمود نے اس کے حال پر بہت لطف وکرم کیا اور اس کی عزّت وتوقیر کی اور دنیاوی ضروریات سے مستغنی کردیا۔ اس زمانے میں بیرونی نے غزنی میں ایک راعد خانہ قائم کیا جہاں وہ فلکیات کے متعلق مشاہدے کرتا تھا۔

بیرونی کے دل میں علم کی لو لگی ہوئی تھی، وہ جس قدر علم حاصل کرتا تھا اسی قدر اس کی تشنگی اور بڑھتی جاتی تھی۔ اس نے اہل ہند کے علوم کے متعلق بہت کچھ پڑھا اور سنا تھا۔ اب اسے یہ دھن سمائی کہ کسی طرح ہندوستان پہنچ کر وہاں کے علوم سیکھے۔ چنانچہ وہ غزنی سے ہندوستان پہنچا۔

یہ وقت ہندوستان کے لیے بہت نازک تھا۔ مغربی ہندوستان میں محمود کے حملوں کی وجہ سے بڑی پریشانی اور ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ جنگ وجدل کے باعث اہل ہند کے دلوں میں محلّہ آوروں اور ان کے تمام ہم قوم اور ہم مذہب لوگوں کی طرف سے معاندانہ جذبات کا ہونا قدرتی بات تھی۔ برہمن یوں بھی سکھانے میں بڑے بخیل ہوتے ہیں تو پھر ایسے زمانے میں ایک غیر قوم اور غیر مذہب اور بالکل اجنبی شخص کو جو ان کی دشمن قوم کا تھا وہ کیوں منہ لگانے لگے تھے۔ اور کیوں کچھ سکھانے لگے تھے، مگر آفرین ہے بیرونی کی ہمت اور استقلال اور شوق کو کہ اس نے طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھائیں مگر اس کی ہمت پست نہ ہوئیں۔ سنسکرت نہایت مشکل اور کٹھن زبان ہے اور بیرونی کے لیے وہ بالکل اجنبی اور غیر مانوس تھی، لیکن اس نے اس پر کامل عبور حاصل کیا اور ایسے پرآشوب زمانے میں ہندوستان کے علوم سیکھ کر وہ کارِ نمایاں کیا جو علمی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ برہمن اس کی ذہانت اور علم وفضل کو دیکھ کر حیرت کرتے تھے اور اسے ساگر یعنی علم کا سمندر کہتے تھے۔

ہندوستان سے فارغ ہوکر وہ پھر غزنی واپس چلا گیا اور اپنے علمی مشاغل میں مصروف ہوگیا۔ اس زمانے میں اس نے کئی کتابیں ہند کے علوم پر لکھیں۔ لیکن ہندوستان پر اس کی سب سے بڑی اور عجیب تصنیف ''کتاب الہند'' ہے۔ اس کتاب میں اس نے اہلِ ہند کے مذہب، فلسفے، ہیئت، نجوم، ریاضی، شرع، رسوم وغیرہ پر بڑی صحت اور وضاحت سے لکھا ہے اور دقیق سے دقیق مسائل کو نہایت خوبی اور صفائی سے بیان کیا ہے۔ بیرونی کی رائے میں ہندو اعلیٰ درجے کے فلسفی، نہایت عمدہ ریاضی دان اور ماہر ہیئت تھے۔ وہ حکمائے ہند کو پکا موحِّد سمجھتا ہے اور ہندوؤں کی عقل ودانش کا بڑا مداح ہے۔

بیرونی کئی زبانوں کا عالم تھا، فارسی تو اس کی زبان ہی تھی، لیکن اس کے علاوہ عربی، عبرانی، سریانی، سنسکرت پر بھی اسے پوری قدرت حاصل تھی۔ زبانوں سے زیادہ وہ علوم جانتا تھا، کوئی علم ایسا نہ تھا جس میں اسے کامل دستگاہ نہ ہو۔ طبیعات، منطق، ریاضی، ہیئت، علم آثار قدیمہ سے علم کیمیا، تاریخ، مذاہب، جغرافیہ، فلسفے وغیرہ کا بڑا فاضل تھا۔ لیکن خاص کر ریاضی، ہیئت اور جغرافیہ میں اسے تبحّر حاصل تھا۔ اور ان علوم میں اس نے وہ تحقیقاتیں اور اصلاحیں کی ہیں کہ اس کا نام دنیا میں ہمیشہ روشن رہے گا۔

ہندوستان سے لوٹ کر بیرونی کو محمود کے دربار میں زیادہ رہنے کا موقع نہیں ملا۔ کیوں کہ تھوڑے ہی عرصے بعد محمود کا انتقال ہوگیا۔ محمود کے بعد اس کا بیٹا مسعود تخت نشین ہوا۔ اگرچہ مسعود باپ سا مدبّر، صائب الرائے اور اولوالعزم نہ تھا مگر اس کی تعلیم اعلیٰ درجے کی ہوئی تھی۔ وہ دلیر، فیاض، سیر چشم، بڑا ادیب، زبانِ عربی کا ماہر اور علوم اک دلدادہ تھا۔ بیرونی کا وہ بہت بڑا قدردان تھا۔ قانون مسعودی جو ہیئت میں بڑے معرکے کی کتاب ہے، بیرونی نے اِسی کے نام سے لکھی۔ کہتے ہیں کہ جب یہ کتاب تصنیف ہوچکی تو سلطان نے ایک بارفیل نقرہ انعام میں دیا۔ مگر بیرونی کی سیر چشمی دیکھیے کہ اس نے وہ رقم خزانے میں واپس کردی اور ایک حبّہ نہ لیا۔

بیرونی کے تصانیف بھی بے شمار ہیں۔ تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس نے مختلف علوم وفنون پر ایک سو چودہ (114) کتابیں لکھی ہیں۔ اسی سے اس بے نظیر فاضل اور محقق کے کمال کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ وہ علم کا بہت بڑا عاشق اور شیفتہ تھا۔ اس کا دائرۂ معلومات نہایت وسیع تھا اور ہر علمی مسئلے کی خود تحقیقات کرتا اور عقل اور مشاہدے سے کام لیتا۔ وہ مقلد نہیں بلکہ مجتہد تھا۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ سال میں صرف دو روز یعنی نو روز اور مہر جان (ایرانی تہوار) کے دن تو ایسے تھے کہ وہ علمی مطالعہ چھوڑ کر اپنے کھانے پینے کا انتظام کرتا تھا۔ ورنہ وہ ہمیشہ علوم کے حاصل کرنے میں محو اور کتابوں کی تصانیف پر جھکا رہتا تھا۔ اپنے ہاتھ سے علم کو دیکھنے سے آنکھ کو اور فکر سے دل کو کبھی جدا نہیں کرتا تھا۔

اس کی تصانیف سے ظاہر ہے کہ وہ ایک بے تعصّب، صلح کُل، آزادمشرب اور حق پرست حکیم تھا۔ اس کے حلقۂ احباب میں عیسائی، یہودی، زرتشتی، صوفی، ہندو پنڈت غرض ہر قوم اور مذہب کے لوگ تھے۔ سچّے عالم اور حکیم ایسے ہی ہوتے ہیں۔

محنت شاقہ کی وجہ سے وہ آخر عمر میں بہت ضعیف ہوگیا تھا اور بیمار رہنے لگا تھا۔ آخر 440ھ (1048ء) میں اس جہان سے رخصت ہوگیا۔ 77 سال 7 ماہ کی عمر پائی۔ عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ دم اکھڑا ہوا تھا اور اس کی وجہ سے سینہ گُھٹ رہا تھا مگر مرنے سے چند لمحے پہلے تک ایک علمی مسئلے کی تحقیق کے متعلق گفتگو کرتا رہا۔ علم کا سچا شوق اسے کہتے ہیں۔

الفاظ ومعانی

مضافات شہر کے آس پاس کے علاقے **متموّل** مالدار **قریہ** دیہات **سطوت** دبدبہ **شیفتہ** شیدائی **مُستغنی** مالدار **رصد خانہ** ستاروں کو مشاہدہ کرنے کی جگہ **معاندانہ** عناد پر سے بنا ہے، عداوت **مقلّد** پیرو، مرید **آزادمشرب** آزاد خیال **شاقہ** سخت **تبحّر** مہارت **بے تعصب** غیر جانبدار **یگانہ** بے مثال، یکتا **درماندگی** بدحالی **فارغ البال** خوش حال **اوج** ترقی **پرآشوب** فتنہ انگیز **عبرانی** یہودیوں کی زبان، ہیبرؤ **سریانی** شامی زبان **فیل نقرہ** ہاتھی شکل کا چاندی کا تمغہ **دستگاہ** مہارت۔

مشق

.1 **مندرجۂ ذیل سوالوں کے ایک جملے میں جواب لکھیے :**

(1) ابو ریحان بیرونی کب اور کہاں پیدا ہوئے ؟

(2) بیرونی کو کس نے مدعو کیا ؟

(3) علمی دنیا کے ''دو روشن ستارے'' کس کی طرف اشارہ ہے؟

(4) بیرونی کو کون کونسی زبانوں پر قدرت حاصل تھی ؟

(5) بیرونی نے علوم وفنون پر کتنی کتابیں لکھیں ؟

.2 **مندرجۂ ذیل سوالوں کے دو-تین جملوں میں جواب لکھیے :**

(1) طبرستان میں بیرونی کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا ؟

(2) ایسا کیوں کیا ہے کہ یہ شاندار علمی مجلسِ انقلاباتِ زمانہ سے زیادہ مدت تک محفوظ نہ رہ سکی ؟

(3) بیرونی غزنی سے ہندوستان کیوں آیا تھا ؟

(4) بیرونی نے سنسکرت زبان کیسے سیکھی ؟

(5) ''زبانوں سے زیادہ علوم جانتا تھا'' اس جملے کی وضاحت کیجیے۔

3. **مندرجۂ ذیل سوالوں کے تفصیل سے جواب لکھیے :**

(1) ابوریحان بیرونی کی ابتدائی زندگی کا حال بیان کیجیے۔

(2) ابوریحان بیرونی کے علمی کارناموں کا ذکر کیجیے۔

(3) بیرونی کے کردار پر روشنی ڈالیے۔

2. **مندرجہ ذیل الفاظ کے واحد کی جمع اور جمع کے واحد لکھیے :**

رفیق ، تحقیقات ، حکیم ، ادیب ، تصانیف ، رسوم

4. **سمجھایئے :**

سرپرستی ، علم پروری ، دلدادہ ، حق پرست ، قدرداں

5. **متضاد الفاظ لکھیے :**

حاکم ، اعلیٰ ، مدح ، ضعیف ، رفیق ، بیرونی ، بخیل

6. **'علم کا شوق' عنوان پر مضمون لکھیے۔**

7. **سوال کے مطابق حل کیجیے :**

(1) 'ریاضی داں' اس مرکب لفظ میں 'داں' لاحقہ فارسی کی ترکیب سے بنا ہے۔ لاحقہ 'داں' سے پانچ مرکب الفاظ بنایئے۔

(2) 'سکتہ' تھوڑا رکنے کے لیے (ٹھہرنے کے لیے) ہے۔ اس سبق میں سکتہ (،) کی علامت زیادہ استعمال ہوئی ہے۔ ایسے جملے تلاش کیجیے۔

●

23 دُکھوا میں کا سے کہو موری سجنی

چتُرسین شاستری

پیدائش : 1891 وفات : 1960

چتُرسین بلند شہر قصبہ چنڈوکھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سکندر آباد کے ایک اسکول میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے راجستھان جے پور کے ایک کالج میں داخل ہوئے۔ یہاں سے آیورویدآچاریہ اور سنسکرت شاستری کی سند حاصل کی۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد دہلی میں اپنا دواخانہ شروع کیا۔ ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی کرتے رہے۔ انھوں نے پرتھوی راج چوہان 'پُرناہوتی' نام سے ایک کتاب ان کی زندگی اور ان کے جنگی معرکوں پر لکھی۔ اس کے علاوہ 8 تاریخی ناول، 10 ڈرامے، 4 تاریخی افسانے وغیرہ بھی یادگار چھوڑے۔

دھرم پترا ناول پر 1961 میں فلم بنائی گئی جسے نیشنل فلم ایوارڈ سے نوازا گیا۔ 'ویشالی کی نگرودھو'، 'ویَم رکھشاسم' راون کے کردار پر سہیادری کی چٹانیں، شیواجی کے مندر اور ان کی زندگی کو موضوع بنا کر پیش کی۔ اس کے علاوہ تیل منی، نرمیدھ، سومناتھ مہالیہ، بھارت میں اسلام، ہندی بھاشا اور اس کا اتہاس وغیرہ تصانیف قابلِ ذکر ہیں۔

گرمی کے دن تھے۔ بادشاہ نے اسی پھاگن میں سلیمہ سے نئی شادی کی تھی۔ سلطنت کی سب دشواریوں سے دور رہ کر نئی دُلہن کے ساتھ محبت اور خوشی منانے کے لیے وہ سلیمہ کو لے کر کشمیر کے دولت خانے میں چلے آئے تھے۔

رات دودھ میں نہا رہی تھی۔ دور کے پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے سفید ہوکر چاندنی میں بہار دکھا رہی تھیں۔ آرام باغ میں محلوں کے نیچے پہاڑی ندی بل کھا کر بہہ رہی تھی۔

موتی محل کے ایک کمرے میں شمع دان جل رہا تھا، اور اس کی کھلی کھڑکی کے پاس سلیمہ رات کی خوبصورتی کو نہار رہی تھی۔

کھلے ہوئے بال اس کی فیروزی رنگ کی اوڑھنی پر کھل رہے تھے۔ چکن کے کام سے سجی اور موتیوں سے گتھی ہوئی اس فیروزی رنگ کی اوڑھنی پر کسی ہوئی کمخواب کی کرتی اور پنّوں کی کمر پیٹی پر، انگور کے برابر بڑے موتیوں کی ملا جھوم رہی تھی۔ سلیمہ کا رنگ بھی موتی جیسا تھا۔ اس کے بدن کی بناوٹ انوکھی تھی۔ سنگ مرمر جیسے پیروں میں زری کے کام کے جوتے پڑے تھے۔ جن پر دو ہیرے چمک رہے تھے۔

کمرے میں ایک قیمتی ایرانی قالین کا فرش بچھا تھا، جو پیر لگتے ہی ایک ہاتھ اندر دھنس جاتا تھا۔ خوشبودار لکڑی سے بنے ہوئے شمع دان جل رہے تھے۔ کمرے میں چار پورے قدر کے آئینے لگے ہوئے تھے۔ سنگ مرمر کی بنیادوں پر سونے چاندی کے پھول دانوں میں تازہ پھولوں کے گلدستے رکھے تھے۔ دیواروں اور دروازوں پر بڑی دلکشی کے ساتھ ناگ کیسر اور چمپے کی مالائیں جھول رہی تھیں۔ جن کی خوشبو سے کمرا مہک رہا تھا۔ کمرے میں لامحدود قیمتی کاریگروں کی ملکی غیرملکی اشیا قرینے سے سجی ہوئی تھی۔

کنیز نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ ''حضور کیوں اتنی اداس رہتی ہیں ؟''

سلیمہ نے کہا، ''ادھر جہاں پناہ کچھ کم آنے لگے ہیں۔ اس سے طبیعت ذرا اداس رہتی ہے۔''

کنیز : ''پیاری چیز نہ ملنے پر انسان میں اداسی آ ہی جاتی ہے، امیر اور غریب، سب ہی کا دل ہے۔''

سلیمہ ہنسی۔ اس نے کہا۔ ''سمجھی، اب تو کسی کو چاہتی ہے۔ مجھے اس کا نام بتا، اس کے ساتھ تیری شادی کرادوں گی۔''

ساقی کا سر گھوم گیا۔ یکا یک اس نے بیگم کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کر کہا۔ ’’میں آپ کو چاہتی ہوں۔‘‘ سلیمہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئی۔ اس دلکش ہنسی کے پیچھے اس نے کنیز کا مقصد نہیں دیکھا۔ کنیز نے باجا لے کر کہا۔ ’’کیا سناؤں؟‘‘

بیگم نے کہا، ’’ٹھہر، کمرہ بہت گرم معلوم ہوتا ہے۔ اس کے تمام دروازے اور کھڑکیاں کھول دے۔ چراغوں کو بجھا دے، چھچھماتی چاندنی کا لطف اٹھانے دے۔ اور پھول مالائیں میرے پاس رکھ لے۔

کنیز اٹھی۔ سلیمہ بولی۔ ’’سن پہلے ایک گلاس شربت دے، بہت پیاسی ہوں۔‘‘

کنیز نے سونے کے گلاس میں خوشبودار شربت بیگم کو دیا۔ بیگم نے کہا۔ ’’اف یہ تو بہت گرم ہے۔ کیا اس میں گلاب نہیں دیا؟‘‘

کنیز نے نرمی سے کہا۔ ’’دیا تو ہے سرکار؟‘‘

’’اچھا اس میں تھوڑا سا استمبول اور ملا۔‘‘

ساقی گلاس لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ استمبول ملایا اور بھی ایک جز ملائی۔ پھر وہ نشیلا شربت بیگم کے سامنے لے آئی۔

ایک ہی سانس میں اسے پی کر بیگم نے کہا۔ ’’اچھا سب سنا۔ تو نے کہا مجھے پیار کرتی ہے، سنا کوئی پیار کا گانا سنا۔‘‘

اتنا کہہ اور گلاس کو غالیچے پر لڑھکا کر نشیلی سلیمہ ملائم مخملی مسند پر خود لڑھک گئی اور رس بھری آنکھوں سے ساقی کی طرف دیکھنے لگی۔ ساقی نے ونشی کا سُر ملا کر گانا شروع کیا۔

’’دُکھوا میں کا سے کہوں موری سجنی.....‘‘

رات دیر تک ساقی کی ونشی اور گلے کی آواز کمرے میں گھوم گھوم کر روتی رہی۔ آہستہ آہستہ ساقی خود رونے لگی۔ سلیمہ شراب اور جوانی کے نشے میں چور ہو کر جھومنے لگی۔

گیت ختم کر کے ساقی نے دیکھا، سلیمہ بے سُدھ پڑی ہے۔ شراب کی تیزی سے اس کے گال سرخ ہوگئے ہیں۔ اور اس کے دلکش ہونٹ رہ رہ کر پھڑک رہے ہیں۔ سانس کی خوشبو سے کمرہ مہک رہا ہے۔ جیسے ہلکی ہوا سے کومل پتی کانپنے لگتی ہے۔ اسی طرح سلیمہ کا بدن آہستہ آہستہ کانپ رہا ہے۔ پسینے کی بوندیں اس کی لالی پر چراغ کے روشنی میں موتیوں کی طرح چمک رہی ہیں۔

ونشی (باجا) رکھ کر ساقی بیگم کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔ اس کا بدن کانپا، آنکھیں جلنے لگیں۔ گلا سوکھ گیا۔ وہ گھٹنے کے بل بیٹھ کر بہت آہستہ آہستہ اپنے آنچل سے بیگم کے چہرے کا پسینہ پونچھنے لگی۔ اس کے بعد اس نے جھک کر بیگم کا منہ چوم لیا۔

اس کے بعد جوں ہی اس نے اچانک آنکھ اٹھا کر دیکھا، خود دین دنیا کے مالک شاہجہاں کھڑے اس کی اس حرکت کو حیرت اور غصے سے دیکھ رہے ہیں۔

ساقی کو سانپ ڈس گیا۔ وہ نالائقوں کی طرح بادشاہ کا منہ دیکھنے لگی۔ بادشاہ نے کہا۔ ’’تو کون ہے، اور یہ کیا کر رہی تھی؟‘‘ ساقی چپ کھڑی رہی۔ بادشاہ نے کہا۔ ’’جواب دے۔‘‘

ساقی نے ہلکی آواز میں کہا۔ ’’جہاں پناہ۔ کنیز اگر کچھ جواب نہ دے تو؟‘‘

بادشاہ سناٹے میں آگئے۔ کنیز کی اتنی ہمت۔ انھوں نے کہا۔ ’’میری بات کا جواب نہیں؟ اچھا، تجھے ننگا کر کے کوڑے لگائے جائیں گے۔

ساقی نے بھارتی آواز میں کہا۔ ’’میں مرد ہوں۔‘‘

بادشاہ کی آنکھوں میں سرسوں پھول اٹھی۔ انھوں نے انگارہ آنکھوں سے سلیمہ کی طرف دیکھا وہ بے خبر پڑی سو رہی تھی۔ اسی طرح اس کی بھری

جوانی کھلی پڑی تھی۔ اس کے منہ سے نکلا ''اف فاحشہ'' اور فوراً ان کا ہاتھ تلوار کے ہتھے پر گیا۔ پھر نیچے کی طرف انھوں نے گھوم کر کہا۔ ''دوزخ کے کتے تیری یہ مجال۔''

پھر سخت آواز سے پکارا۔ ''مادوم''

لمحے بھر میں ایک خطرناک صورت شکل کی تاتاری عورت بادشاہ کے سامنے ادب سے آ کھڑی ہوئی۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ ''اس مردود کو تہہ خانے میں ڈال دے، تاکہ بنا کھائے پیے مر جائے۔''

مادوم نے اپنے سخت ہاتھوں میں اس نوجوان کا ہاتھ پکڑا اور لے چلی۔ تھوڑی دیر میں دونوں لوہے کے ایک مضبوط دروازے کے پاس آ کھڑے ہوئے۔ تاتاری کنیز نے چابی نکال کر دروازہ کھولا اور قیدی کو اندر دھکیل دیا۔ کوٹھری کی زمین قیدی کا بوجھ پڑتے ہی کانپتی ہوئی نیچے کی طرف دھنسنے لگی۔

صبح ہوئی۔ سلیمہ کی بیہوشی دور ہوئی۔ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ بال سنوارے، اوڑھنی ٹھیک کی اور چولی کے بٹن لگانے کے لیے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ کھڑکیاں بند تھیں۔ سلیمہ نے پکارا۔ ''ساقی'' پیاری ساقی، بڑی گرمی ہے، ذرا کھڑکی تو کھول دے۔ نگوڑی نیند نے تو آج غضب ڈھا دیا۔ شراب کچھ تیز تھی۔

کسی نے سلیمہ کی بات نہیں سنی۔ سلیمہ نے ذرا زور سے پکارا۔ ''ساقی''

جواب نہ پا کر سلیمہ حیران ہوئی۔ وہ خود کھڑکیاں کھولنے لگی۔ مگر کھڑکیاں باہر سے بند تھیں۔ سلیمہ نے بے چینی سے دل ہی دل میں کہا ''کیا بات ہے؟ لونڈیاں سب کیا ہوئیں؟''

وہ دروازے کی طرف چلی۔ دیکھا ایک تاتاری کنیز تلوار لیے پہرے پر مستعد ہے۔ بیگم کو دیکھتے ہی اس نے سر جھکا لیا۔

سلیمہ نے غصہ سے کہا۔ ''تم لوگ یہاں کیوں ہو؟''

''بادشاہ کے حکم سے۔''

''کیا بادشاہ آ گئے؟''

''جی ہاں'

''مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟''

''حکم نہیں تھا۔''

''بادشاہ کہاں ہیں؟''

''زینت محل کے دولت خانے پر۔''

سلیمہ کے دل میں خیال آیا۔ اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے خوبصورتی ہی جن کا کاروبار ہے، محبت کو کیا سمجھیں؟ تو اب زینت محل کی قسمت کھلی؟''

تاتاری عورت خاموش کھڑی رہی۔ سلیمہ پھر بولی۔

''میری ساقی کہاں ہے؟''

''قید میں''

''کیوں؟''

''جہاں پناہ کا حکم تھا۔''

''اس کا قصور کیا تھا؟''

''میں عرض نہیں کر سکتی۔''

''قید خانے کی چابی مجھے دے میں ابھی اسے چھڑاتی ہوں۔''

''آپ کو اپنے کمرے سے باہر آنے کا حکم نہیں ہے۔''

''تب کیا میں بھی قید میں ہوں؟''

''جی ہاں۔''

سلیمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ لوٹ کر مسند پر پڑ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کچھ ٹھہر کر اس نے ایک خط لیا ''حضور میرا قصور معاف فرمادیں۔ دن بھر کی تھکی ہونے کی وجہ سے ایسی بے خبر سو گئی کہ حضور کے استقبال میں حاضر نہ ہو سکی۔ اور میری اس پیاری لونڈی کی جان بخشی جائے۔ اس نے حضور کے دولت خانے میں لوٹ آنے کی اطلاع مجھے واجبی طور پر نہ دے کر بیشک بھاری قصور کیا ہے۔ مگر وہ نئی، کمسن، غریب اور دُکھیا ہے۔''

چٹھی بادشاہ کے پاس بھیج دی گئی۔ بادشاہ کی طبیعت ناساز تھی۔ تمام ہندوستان کے بادشاہ کی عورت فاحشہ نکلے۔ بادشاہ اپنی آنکھوں سے غیر مرد کو اس کا منہ چومتے ہوئے دیکھ چکے تھے۔ وہ غصے سے تلملا رہے تھے۔ اور غم غلط کرنے کے لیے اندھا دھند شراب پی رہے تھے۔ زینت محل موقع دیکھ کر سوتن کا بخار نکال رہی تھی۔ تاتاری کنیز کو دیکھ کر بادشاہ نے آگ بگولا ہو کر کہا۔ ''کیا لائی ہو؟''

باندی نے دست بستہ عرض کی۔ ''خداوند! سلیمہ بی بی کی عرضی ہے۔''

بادشاہ نے غصے سے ہونٹ چبا کر کہا۔ ''اس سے کہہ دے کہ مر جائے۔'' اس کے بعد خط پر ایک ٹھوکر مار کر انھوں نے ادھر سے منہ پھیر لیا۔ کنیز لوٹ آئی۔ بادشاہ کا جواب سن کر سلیمہ زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے کنیز کو باہر جانے کا حکم دیا اور دروازہ بند کر کے پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ گھنٹوں بیت گئے۔ دن چھپنے لگا، سلیمہ نے کہا: ''ہائے بادشاہوں کی بیگم ہونا بھی بد نصیبی ہے۔ انتظار ہی کرتے کرتے آنکھ پھوٹ جائے۔ منتیں کرتے کرتے زبان گھس جائے، ادب کرتے کرتے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، پھر بھی اتنی سی بات پر کہ میں ذرا سو گئی، ان کے آنے پر جاگ نہ سکی، اتنی سزا؟ اتنی بے عزتی؟

''تب میں بیگم کیا ہوئی؟ زینت اور نوکرانیاں سنیں گی تو کیا کہیں گی؟ اس بے عزتی کے بعد منہ دکھانے کے لائق کہاں رہی؟ اب تو مرنا ہی ٹھیک ہے۔ افسوس، میں کسی غریب کی عورت کیوں نہیں ہوئی!''

آہستہ آہستہ سچائی کا بیج اس کی روح میں گھر کر گیا۔ فخر اور سخت عہد کا نشان اس کی نظروں میں چھا گیا۔ وہ سانپنی کی طرح بل کھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے ایک اور خط لکھا۔

''دنیا کے مالک۔ آپ کی بیوی اور کنیز ہونے کی وجہ سے آپ کے حکم کو مان کر مرتی ہوں۔ اتنی بے عزتی پا کر ایک ملکہ کا مرنا ہی مناسب ہے، مگر اتنے بڑے بادشاہ کو عورتوں کو اس قدر ناچیز تو نہیں سمجھنا چاہیے۔ کہ ادنیٰ سی بیوقوفی کی اتنی بڑی سزا دی جائے۔ میرا قصور تو اتنا ہی تھا کہ میں بے خبر سو گئی تھی۔ خیر پھر ایک بار حضور کو دیکھنے کی خواہش لے کر مرتی ہوں۔ میں اس پاک پروردگار کے پاس جا کر عرض کروں گی کہ وہ میرے شوہر کو سلامت رکھے۔

خط کو عطر لگا کر تازہ پھولوں کے گلدستے میں اس طرح رکھ دیا، جس سے کسی کی اس پر نظر پڑ جائے۔ اس کے بعد اس نے جواہر کی پیٹی سے ایک قیمتی انگوٹھی نکالی اور کچھ دیر تک آنکھ گڑا کر اسے دیکھتی رہی۔ پھر اسے چاٹ گئی۔

بادشاہ شام کو ہوا خوری کے لیے نظر باغ میں ٹہل رہے تھے۔ دو تین خبر والے گھبرائے ہوئے آئے اور چٹھی پیش کر کے عرض کی۔ ''حضور غضب ہوگیا۔ سلیمہ بی بی نے زہر کھا لیا اور وہ مر رہی ہیں۔''

لمحے بھر میں بادشاہ نے خط پڑھ لیا۔ جلدی سے محل میں پہنچے۔ پیاری دلہن سلیمہ زمین پر پڑی ہے۔ آنکھیں اور چڑھ گئی ہیں۔ رنگ کوئلے کے مانند ہوگیا ہے۔ بادشاہ سے رہا نہ گیا۔ انھوں نے گھبرا کر کہا ''حکیم، حکیم کو بلاؤ۔'' کئی آدمی دوڑے۔

بادشاہ کی بات سن کر سلیمہ نے ان کی طرف دیکھا، اور آہستہ سے کہا۔ ''زہے قسمت''۔ بادشاہ نے نزدیک بیٹھ کر کہا۔ ''سلیمہ، بادشاہ کی بیگم ہوکر تمہیں یہی لازم تھا؟''

سلیمہ نے مشکل سے کہا۔ ''حضور میرا قصور معمولی تھا۔''

بادشاہ نے سخت لہجے میں کہا۔ ''بدنصیب! شاہی زنان خانے میں مرد کو بھیس بدل کر رکھنا معمولی قصور سمجھتی ہے؟ کانوں پر یقین کبھی نہیں کرتا، مگر آنکھوں دیکھی کو جھوٹ مان لوں؟

جیسے ہزاروں بچھوؤں کے ایک ساتھ ڈنک مارنے سے آدمی تڑپتا ہے، اسی طرح تڑپ کر سلیمہ نے کہا۔ ''کیا؟''

بادشاہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ انھوں نے کہا۔ ''سچ کہو، اس وقت تم خدا کی راہ پر ہو، یہ جوان کون تھا؟''

سلیمہ نے چونک کر پوچھا۔ ''کون جوان؟''

بادشاہ نے غصے سے کہا۔ ''جسے تم نے ساقی بنا کر اپنے پاس رکھا تھا؟''

سلیمہ نے گھبرا کر کہا۔ ''ہیں، کیا وہ مرد ہے؟''

بادشاہ: ''تو کیا تم سچ مچ یہ بات نہیں جانتیں؟''

سلیمہ کے منہ سے نکلا۔ ''یا خدا؟''

پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ پورا معاملہ سمجھ گئی۔ کچھ دیر بعد بولی۔ ''خاوند، تب تو کوئی شکایت ہی نہیں، اس قصور کی تو یہی سزا مناسب تھی۔ میری بدگمانی معاف فرمائی جائے۔ میں اللہ کے نام پر پڑی کہتی ہوں۔ مجھے اس بات کا کچھ بھی پتہ نہیں ہے۔ بادشاہ کا گلا بھر آیا۔ انھوں نے کہا۔ ''تو پیاری سلیمہ، تم بے قصور ہی چلیں؟'' بادشاہ رونے لگے۔

سلیمہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی چھاتی پر رکھ کر کہا ''مالک میرے، جس کی امید نہیں تھی مرتے وقت وہ سزا مل گئی۔ کہا سنا معاف ہو، ایک عرض لونڈی کی منظور ہو۔''

بادشاہ نے کہا۔ ''جلدی کہو سلیمہ؟''

سلیمہ نے حوصلے سے کہا۔ ''اس جوان کو معاف کر دینا۔''

اس کے بعد سلیمہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ چلے اور تھوڑی دیر میں وہ ٹھنڈی ہوگئی۔

بادشاہ نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کا ماتھا چوما اور بچے کی طرح رونے لگے۔

غضب کے اندھیرے اور سردی میں جوان بھوکا پیاسا پڑا تھا، یکا یک خوفناک شور وغل کے ساتھ دروازہ کھلا۔ روشنی کے ساتھ ہی ایک سنجیدہ لفظ تہہ خانے میں گونجا۔ ''بدنصیب نوجوان کیا ہوش حواس میں ہے؟''

جوان نے تیز آواز میں پوچھا ''کون؟''

جواب ملا۔ ''بادشاہ۔''

جوان نے بے ادبی سے کہا۔''یہ جگہ بادشاہوں کے لائق نہیں..... کیوں تشریف لائے ہو؟''

''تمہاری کیفیت نہیں سنی تھی، اسے سننے آیا ہوں۔''

کچھ دیر خاموش رہ کر جوان نے کہا۔''صرف سلیمہ کو جھوٹی بدنامی سے بچانے کے لیے کیفیت بتاتا ہوں۔ سنیے جب سلیمہ بچی تھی، میں اس کے باپ کا نوکر تھا۔ تبھی سے میں اسے پیار کرتا تھا۔ سلیمہ بھی پیار کرتی تھی، پر وہ بچپن کا پیار تھا۔ عمر ہونے پر سلیمہ پردے میں رہنے لگی اور پھر وہ بادشاہ کی بیگم ہوئی۔ مگر میں اسے بھول نہیں سکا۔ پانچ سال تک پاگل کی طرح بھٹکتا رہا۔ آخر میں بھیس بدل کر کنیز کی نوکری کر لی۔ صرف اسے دیکھتے رہنے اور خدمت کرکے دن گزار دینے کا ارادہ تھا۔ اس دن چمکدار چاندنی، خوشبودار ہوا، شراب کی چاہت، اور تنہائی نے مجھے بے بس کردیا۔ اس کے بعد میں نے آنچل سے اس کے چہرے کا پسینہ پوچھا اور منہ چوم لیا۔ میں اتنا ہی خطاوار ہوں۔ سلیمہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔

بادشاہ کچھ دیر خاموش کھڑے رہے۔ اس کے بعد وہ دروازہ بند کیے بغیر ہی آہستہ آہستہ چلے گئے۔

سلیمہ کی موت کو دس دن بیت گئے۔ بادشاہ سلیمہ کے کمرے میں دن رات رہتے ہیں۔ سامنے ندی کے اس پار پیڑوں کے جھرمٹ یں سلیمہ کی سفید قبر بنی ہے، جس کھڑکی کے پاس سلیمہ بیٹھی اس دن رات کو بادشاہ کا انتظار کررہی تھی، اسی کھڑکی میں، اس چوکی پر بیٹھے ہوئے بادشاہ اسی طرح سلیمہ کی قبر دن رات دیکھا کرتے ہیں۔ کسی کو پاس آنے کا حکم نہیں، جب آدھی رات ہوجاتی تو اس سنجیدہ رات کے سناٹے میں ایک دکھ بھرے گیت کی آواز سنائی دیتی ہے۔ بادشاہ صاف صاف سنتے ہیں کوئی نرم لہجے میں گارہا ہے۔

''دُکھوا میں کا سے کہوں موری سجنی۔''

الفاظ ومعانی

کمخواب ایک قسم کا کپڑا جو زری کے تاروں کی آمیزش سے بنا ہوتا ہے۔ **پھاگن** سمونت کا بارہواں مہینہ، جس مہینے میں ہولی آتی ہے۔
آنکھوں میں سرسوں پھولنا ہر چیز بھلی معلوم ہونا۔ **پھوٹ پھوٹ کر رونا** بہت آنسو بہانا، زار زار رونا۔

مشق

1. **مندرجہ ذیل سوالوں کے ایک جملے میں جواب لکھیے :**

(1) کنیز دیکھنے میں کیسی تھی ؟

(2) سلیمہ نے اپنی اداسی کی کیا وجہ بتائی ؟

(3) مادوم کون تھی ؟

(4) کنیز کا جواب سن کر بادشاہ نے کیا حکم دیا ؟

(5) کس حکم سے بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے ؟

2. **مندرجہ ذیل سوالوں کے دو تین جملوں میں جواب لکھیے :**

(1) سلیمہ رات کی کس خوبصورتی کو نہار رہی تھی ؟

(2) سلیمہ اور اس کے لباس کی خوبصورتی کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

(3) شراب کے نشہ میں سلیمہ کی کیا حالت ہوگئی تھی ؟

(4) سلیمہ اور ساقی کو کس حالت میں دیکھ کر بادشاہ کو غصہ آیا ؟

(5) کس حقیقت کو جان کر سلیمہ تڑپ اٹھی ؟

3. **مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب تفصیل سے لکھیے :**

(1) کمرے کی سجاوٹ اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

(2) سلیمہ نے معذرت سے خط میں کیا لکھا ؟

(3) بادشاہ اور ساقی کے کردار کو مدِنظر رکھ کر سبق کے عنوان کو سمجھایئے۔

(4) کس کیفیت کو سننے کے لیے بادشاہ نے تہہ خانے کی ملاقات کی ؟

4. **ذیل کے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے :**

(1) آنکھوں میں سرسوں پھولنا

(2) پھوٹ پھوٹ کر رونا

(3) لوٹ پوٹ ہوجانا

5. **چند مرکّبات ایسے ہیں جن میں تین-تین اعضاء ہوتے ہیں، انہیں سہ اعضائی مرکبات کہتے ہیں۔ مثلاً : ''میری بدگمانی معاف فرمائی جائے۔'' اس جملے میں 'بدگمانی' میں تین اعضاء ہیں۔ بد+گمان+ی۔ ایسے تین اعضائی مرکبات اس سبق سے تلاش کرکے لکھیے۔**

6. **ذیل کے مرکب لفظوں کی ترکیب سمجھایئے :**

دست بستہ ، دِلکش ، خطاوار ، خوشبودار ، خوفناک

7. **مندرجہ ذیل جملوں میں جو علامتیں استعمال ہوئی ہیں انہیں الگ کرکے ان کے نام لکھیے :**

(1) ساقی تجھے بین اچھی لگتی ہے یا بانسری ؟

(2) جہاں پناہ، کنیز اگر کچھ جواب نہ دے تو ؟

(3) ساقی، پیاری ساقی، بڑی گرمی ہے، ذرا کھڑکی تو کھول دے۔

(4) خداوند ! سلیمہ بی بی کی عرض ہے۔

8. **ہم معنی الفاظ سے مناسب جوڑیاں بنایئے :**

قرینہ	تیار	تمنّا
مستعد	سلیقہ	سواگت
خواہش	خیر مقدم	آمادہ
استقبال	آرزو	ڈھنگ

9. **مترادف الفاظ تلاش کرکے لکھیے :**

فخر ، سنجیدہ ، بدگمانی ، عرض

●

24 نعتیہ گیت (اودھی)

عنؔبر بہرائچی

پیدائش : 1884 وفات : 1955

اُردو ادب میں کلاسیکی زبانوں کے شعریات کے بارے میں لکھنے والوں کی بڑی کمی رہی ہے اور عنبر بہرائچی نے اس کمی کو بہ احسن طریقے سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ سنسکرت شاعری تمام وئی شاعری سے پیدا ہونے والے مختلف آہنگ سے تعلق رکھتی ہیں۔ عنؔبر بہرائچی نے اصلا زبان سنسکرت کے پس منظر میں اُردو زبان میں سنسکرت شاعری کی خصوصیات کی عمدہ تشریح کی ہے۔

عنؔبر ماہر لسانیات کے علاوہ ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔ اور انہوں نے قدیم اُردو یعنی ابتدائی ہندی ہندوستانی زبان میں چند اچھے گیت لکھے ہیں۔ ان کا ایک گیت نبی کریمؐ کی شان میں بہت ہی مشہور ہے جسے نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔

عبد اللہ کے راج محل میں کوؤ امرت برساوَت ہے
دائی حلیمہ کے آنگن میں جنّت شیش نواوَت ہے

لالہ ونسریں، لعلِ یمینی، مشکِ ختنی، درِّ عدنی
سب پر اپنا مکیؐ مدنیؐ چندا نور لٹاوَت ہے

آبی، خاکی، نوری، ناری، عرشی، فرشی، عربی، عجمی
رحمتِؐ عالم، ساقیٔ کوثرؐ، سب کی پیاس بجھاوَت ہے

قوسِ قزح یا حسنِ سحر ہو، کاہکشاں یا شمس وقمر ہو،
بھولا بھالا، اُنؐ کا تبسم، سب کی مانگ سجاوَت ہے

اُنؐ کا حسن، جمالِ الٰہی، اُن کی بتیاں وحیِ الٰہی
اُنؐ کی رحمت، فضلِ الٰہی کن کن کا چمکاوَت ہے

صدقے جاؤں اِس ممتا پر، سووَت، جاگت، سانجھ سویرے
امّت کی بخشش کی خاطر کوؤ نیر بہاوَت ہے

حشر میں بولے میرے سرور، عنؔبر دیکھ اِدھر آ مت ڈر
حشر ہے لیکن میں تو یہیں ہوں کیوں اتنا گھبراوَت ہے

الفاظ ومعانی

امرت شربت، شہد، بہت لذیز اور شیریں چیز **برساوَت** برسانا **شیش سَر نواوَت** جھکانا **لالہ** ایک قسم کا سُرخ پھول جس کے اندر سیاہ داغ ہوتا ہے۔ **نسرین** ایک قسم کا سفید گلاب **لعلِ یمنی** یمن کا سُرخ رنگ کا جواہر **مشکِ ختنی** ایک قسم کی خوشبو جو ہرن کی ناف سے نکلتی ہے۔ **دُرِّ عدنی** عدن کا موتی (عدن سے منسوب اور عدن یعنی عرب کے جنوب مغربی کونے میں ایک چھوٹا سا جزیرہ نما علاقہ **نوری** روشنی والا **ناری** عورت **عرشی** آسمان والا **فرشی** زمین والا **عربی** عرب والا **عجمی** عرب کے علاوہ کسی اور ملک والا **ساقیِ کوثر** جنت کے حوض کا پانی پلانے والا **قوسِ قزح** آسمان میں نظر آنے والا سات رنگوں کا پٹّہ **کاہکشاں** تاروں کا جھرمٹ (کہکشاں) **نیر** آنسو، پانی، جل، دریا، سمندر **عنبر** سمندر کی ایک قسم کی سوکھی جھاگ جس کو جلانے سے خوشبو پیدا ہوتی ہے۔ **چمکاوَت** چمکانا **سرور** بادشاہ **سووَت جاگت** سوتے جاگتے **بہاوت** بہانا۔

مشق

1. **مندرجۂ ذیل سوالوں کے جواب مختصر طور پر دیجیے:**

(1) دائی حلیمہ کے آنگن میں جنت کیوں شیش جھکاتی ہے؟

(2) 'مکّی، مدنی، چندا سے کون مراد ہیں؟ وہ کس کس پر اپنا نور لُٹاتے ہیں؟

(3) اُنؐ کے تبسم کا کیا عالم ہے؟

(4) شاعر کے خیال میں جمالِ الٰہی اور وحیِ الٰہی کیا ہے؟

(5) اُمّت کی بخش کی خاطر نبیؐ کیا کرتے ہیں؟ اور کیسے؟

(6) حشر کے متعلق شاعر کو کیا گمان ہوتا ہے؟

2. **مندرجۂ ذیل اشعار سمجھائیے:**

(1) آبی، خاکی، نوری، ناری، عرشی، فرشی، عربی، عجمی
رحمتِ عالمؐ، ساقیِ کوثر، سب کی پیاس بجھاوَت ہے

(2) صدقے جاؤں اُس ممتا پر، سووَت، جاگت، سانجھ سویرے
اُمّت کی بخشش کی خاطر کو وَ نیر بہاوَت ہے

3. **صنعتِ تلمیح اور تضاد کے اشعار تلاش کیجیے۔**

4. **محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:**

(1) پیاس بجھانا (2) نیر بہانا (3) شیش جھکانا (4) امرت برسانا

5. **ذیل کے الفاظ کی ترکیب واضح کیجیے:**

لعلِ یمنی، مشکِ ختنی، دُرِّ عدنی، ساقیِ کوثر، قوسِ قزح
جمالِ الٰہی، وحیِ الٰہی، حسنِ سحر، رحمتِ عالمؐ

6. **اس نعتیہ گیت میں 'صفتِ نسبتی' کے الفاظ تلاش کیجیے۔**

7. **نعت شریف میں متضاد اور مترادِف الفاظ تلاش کیجیے۔**

●

25 غزل

محمد علوی

پیدائش : 1927ء

احمد آباد (گجرات) میں پیدا ہوئے۔ محمد علوی نے علم پرور اور ادبی گھرانے میں آنکھ کھلی۔ ان کے بزرگ عربی اور فارسی کے عالم تھے۔ محمد علوی دور جدید کے جواں فکر اور خوش گو شاعر ہیں۔ غزل اور نظم دونوں یکساں مہارت کے ساتھ کہتے ہیں۔

محمد علوی نے زبان وبیان دونوں سطحوں پر نئے نئے تجربات کیے ہیں۔ ان کا ذہن آزادی کا متمنّی ہے لہٰذا وہ ہر طرح کی روایت سے انحراف کرتے ہیں۔ ان سے اردو کی نئی غزل نئے رنگ اور نئے ذائقے سے آشنا ہوتی ہے۔

انسانی مزاج کے جتنے پہلوؤں کا اظہار محمد علوی کے شعروں میں ہوا ہے اُس کی مثال شاید ہی دوسرے شاعروں کے یہاں ملے۔

خالی مکان، آخری دن کی تلاش، تیسری کتاب اور چوتھا آسمان ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ان کا کلیات بھی شائع ہو چکا ہے۔

محمد علوی کو ان کے آخری مجموعۂ کلام ''چوتھا آسمان'' پر ساہتیہ اکادمی دہلی کا ایوارڈ مل چکا ہے۔ اردو ساہتیہ اکادمی (گجرات) نے بھی انہیں اعزاز عطا کیا ہے۔

اوروں کے گھر جلا کے قیامت نہ کر سکا
گھر جل گیا مگر میں شکایت نہ کرسکا

اس نے مجھے تباہ کیا اس کے باوجود
دو چار دن بھی اُس سے میں نفرت نہ کرسکا

اپنے سے بڑھ کے تجھ پہ مجھے اعتماد تھا !
افسوس تو بھی میری حفاظت نہ کرسکا

میں نے بھی اپنی موت کو دیکھا قریب سے
اور اُس کے بعد جینے کی حسرت نہ کرسکا

مسجد شہید ہونے کا غم تو کیا مگر
اک بار بھی میں اُس میں عبادت نہ کرسکا

سچ ہے وطن سے اپنے محبت نہیں مجھے
شاید اسی وجہ سے میں ہجرت نہ کرسکا

علویؔ غلط بیانیاں دیتے رہے سبھی
سچ بولنے کی ایک بھی ہمّت نہ کرسکا

مشق

1. **مندرجۂ ذیل سوالوں کے جواب لکھیے :**
   (1) گھر جل جانے پر بھی شاعر نے کیا نہیں کیا ؟
   (2) شاعر کو کس نے تباہ کیا اور شاعر کیا نہ کرسکا ؟
   (3) شاعر کو کس پر اعتماد تھا ؟ اُس نے شاعر کے ساتھ کیا کیا ؟
   (4) شاعر جینے کی حسرت کیوں نہ کرسکا
   (5) مسجد شہید ہونے کے غم کے ساتھ شاعر کو کس بات کا افسوس ہے ؟
   (6) شاعر نے اپنے وطن سے ہجرت کیوں نہیں کی ؟
   (7) کیسے موقع پر شاعر نے سچ بولنے کی ہمت نہیں کی ؟

2. **مندرجۂ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے :**
   (1) اپنے سے بڑھ کے تجھ پہ مجھے اعتماد تھا
   افسوس تو بھی میری حفاظت نہ کرسکا
   (2) مسجد شہید ہونے کا غم تو کیا مگر
   اِک بار بھی میں اُس میں عبادت نہ کرسکا
   (3) سچ ہے وطن سے اپنے محبت نہیں مجھے
   شاید اسی وجہ سے میں ہجرت نہ کرسکا

●

خود دار	26

بلونت سنگھ

پیدائش : 1921 وفات : 1986

بلونت سنگھ ایک باکمال افسانہ نگار تھے۔ ان کے ناولوں اور افسانوں کے مجموعوں کی تعداد تیس سے زائد ہے۔ ان کی کتابیں اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں شائع ہوئیں۔

بلونت سنگھ کو ان کی زندگی میں ایک رومان نگار سمجھا گیا۔ حالاں کہ یہ بات جتنی صحیح ہے اتنی غلط بھی ہے، بلونت سنگھ کی زندگی کے خاکے سے جو الگ شائع کیا جا رہا ہے اندازہ ہوگا کہ بلونت سنگھ انتہائی خوددار اور اپنی کھال میں مست رہنے والا شخص تھا۔ کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی اور مولانا صلاح الدین احمد سے ان کی ملاقات تھی۔ ان کا افسانہ 'سترا' ان کی پہلی کوشش ہے۔ راجندر سنگھ بیدی نے بھی ان کی تنوع اور شگفتگی کی داد دی۔ ان کا پہلا مجموعہ ''جگا'' 1944ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

جن دنوں صوبہ بہار میں زلزلہ آیا میں آسام کی ایک غیر معروف ریاست میں بحیثیت ایک انجینئر ملازم تھا۔ زلزلے کے بعد ریلیف کا کام شروع ہوا تو میں نے بھی ملازمت کے لیے ہاتھ پاؤں مارے۔ ریاست کا وزیر ایک بارسوخ شخص تھا۔ اس کے ساتھ میرے اچھے مراسم تھے۔ چنانچہ مجھے ملازمت مل گئی۔ میرا کام بہت تسلّی بخش تھا۔ جلد ہی اگزیکیٹو انجینئر بنا کر موتی ہاری بھیج دیا گیا۔

اس جگہ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ قدرت کی تباہ کاریاں دیکھنے کا موقع ملا۔ ہمارا دفتر میری کوٹھی کے قریب ہی تھا۔ دفتر کی عمارت ابھی زیرِ تعمیر تھی۔ تین چار کمرے ہمارے تصرف میں تھے۔ سوائے میرے کمرے کے باقی کمروں میں سفیدی بھی نہ ہوئی تھی۔ فرش کی بھدّی اینٹوں کو چھپانے کے لیے دری بچھا دی گئی تھی۔ میرے کمرے میں دو بڑی کھڑکیاں اور دروازے تھے۔ ایک دروازہ بڑے کمرے میں کھلتا تھا۔ یہاں کلرک کام کرتے تھے۔ اس وقت عملہ میں آٹھ کے قریب اشخاص تھے۔ چپراسی ان کے علاوہ۔

زلزلے نے جہاں ایک طرف خاندان کے خاندان تباہ اور بدحال کردیے تھے، وہاں بیکاروں کے لیے روزی کے دروازے بھی کھول دیے۔ کئی اشخاص کے لیے یہ سانحہ دولت وشادمانی کا مژدہ لے کر آیا تھا۔ جب شام کے وقت ہم لوگ سیر کے لیے باہر نکلتے تو جگہ جگہ دھرتی ماتا کو نہنگ کی طرح منہ کھولے پاتے۔ بچّے حیرت سے ان اتھاہ دراڑوں میں جھانکتے۔

سردیوں کی ایک صبح کو جب میں دفتر میں پہنچا، تو رگھوناتھ نے کاغذوں کا بڑا سا پلندہ میرے سامنے رکھ دیا۔ پچھلی شام کو میں دورے سے واپس آیا تھا۔ تین چار دن کے کاغذات جمع ہوگئے تھے..... پہلے رگھوناتھ کاغذات رکھ کر فوراً دوسرے کمرے میں چلا جاتا تھا، لیکن آج وہ ہاتھ سہلاتا ہوا میری میز کے قریب ہی کھڑا رہا۔ یہ سوچ کر شاید وہ مجھے کچھ کہنا چاہتا ہے میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے اتار چڑھاؤ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی گہری ذہنی کش مکش میں مبتلا تھا۔

پیشتر اس کے کہ وہ کچھ کہے چپراسی خبر لایا کہ پنڈت دیوی دیال اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ میں اس چاپلوس شخص سے ملنا نہ چاہتا تھا لیکن میری حاضری میں وہ کئی مرتبہ میری کوٹھی کے چکّر لگا چکا تھا۔ بچوں کے لیے پھل اور مٹھائیاں بھی دے گیا تھا..... میں نے اس کو بلوالیا۔ اس پر

رگھوناتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

دیوی دیال سنیما کے پاس لایا تھا۔ وہ شہر کا ایک متمول رئیس تھا۔ اس کے باوجود وہ میری اس قدر زیادہ چاپلوسی کر رہا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ دھکے دے کر باہر نکلوادوں۔ میری بے اعتنائی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس نے د راز کار اشاروں سے اپنا مدعا بیان کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں ٹھیکیداروں سے اس کے بھٹّے کی اینٹوں کی سفارش کروں.....۔

میرا دھیان رگھوناتھ کی طرف تھا۔ رگھوناتھ ہمارے عملے میں سب سے معمّر شخص تھا؛ بلکہ دوسرے تو سب کے سب نوجوان تھے۔ دسویں پاس سٹینوگرافر، نشست وبرخاست میں سلیقہ مند، بات چیت میں ہوشیار، لیکن مجھ کو رگھوناتھ پر ہی بھروسہ تھا، وہ ہمیشہ رُک رُک کر دھیمی آواز میں بات کرتا۔ اس کو دیکھ کر کہا جاسکتا تھا کہ وہ ایک ذمّہ دار شخص ہے۔ اسی وجہ سے اس کو کام بھی زیادہ کرنا پڑتا تھا۔

نوکری کے لیے وہ براہِ راست مجھ کو ملنے کے لیے آیا تھا۔ دوپہر کے وقت کھانا کھانے کے بعد قیلولے کے لیے پلنگ پر پاؤں رکھا ہی تھا کہ نوکر نے رگھوناتھ کا ملاقاتی کارڈ لاکر دیا۔ میں نے اس کی بے وقت آمد کو محسوس کیا۔ نوکر کی زبانی معلوم ہوا کہ ملازمت کے لیے آئے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ دفتر میں ملیں۔

اتفاق کی بات اس وقت میں ڈرائنگ روم میں ایک کتاب لینے کے لیے گیا۔ سونے سے پہلے کسی رسالے یا کتاب کی ورق گردانی کرنا میری عادت ہوگئی تھی۔ کھڑکی سے مجھ کو رگھوناتھ واپس جاتا ہوا دکھائی دیا۔ کھدر کا ایک نیل لگا ہوا پائجامہ۔ انگلش ٹویڈ کا ایک پرانا گرم کوٹ، سر پر کالے رنگ کی گول ٹوپی، گھٹنے کے قریب اس کے پائجامے میں ایک ابھار سا پیدا ہوگیا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھ کو خیال آیا کہ بچارا بوڑھا شخص ہے۔ اس کو بلا لینا چاہیے۔ چنانچہ نوکر کو بھیج کر میں نے اسے بلوالیا۔

جب میں نے اس کے چہرے پرخصوصاً اس کی نیچے کولٹکتی ہوئی سفید مونچھوں پر نگاہ ڈالی تو مجھ کو اپنا جواب یاد کرکے افسوس ہوا۔ اس نے آتے ہی بے موقع آمد کے لیے معذرت چاہی، اس نے کہا کہ وہ میرا زیادہ وقت خراب نہیں کرے گا۔ وہ نوکری کے لیے آیا تھا، ٹائپ کرنا جانتا تھا، ہرقسم کی کاروباری نیز دفتری خط وکتابت میں اس کو کافی تجربہ حاصل تھا۔

میں نے اس کو شام تک بٹھائے رکھا۔ وہ اسی جگہ کا باشندہ تھا۔ میں اس سے مختلف باتیں پوچھتا رہا۔ اس کے چشم دید واقعات کے حالات بڑی دلچسپی سے سنتا رہا۔ باتوں باتوں میں مَیں نے اس کے ذاتی حالات بھی معلوم کرلیے۔ پہلے وہ ایک متمول شخص تھا۔ اس نے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی، سب سے بڑا بیٹا وٹرنری ڈاکٹری پاس کرکے سرکاری ملازمت کرنے لگا۔ اس کے ملازم ہوجانے پر گھر والوں کو کچھ تسلّی ہوئی۔ کیونکہ اس کی کمائی کا بیشتر حصہ انھیں کی تعلیم اورلڑکیوں کی شادیوں پرخرچ ہو چکا تھا....لیکن جب بُرے دن آتے ہیں تو آنکھ جھپکتے میں تقدیر کا پانسہ پلٹ جاتا ہے۔ بھرا پڑا گھر بُری طرح تباہ ہوا۔لڑکے چھٹیوں میں گھر آئے ہوئے تھے۔ شادی شدہ لڑکیاں بھی والدین کو ملنے کے لیے آگئی تھیں۔معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے یہ سازش کررکھی تھی کہ ان کے گھر کے سب افراد کو یکجا کرکے کچل دیا جائے۔ قدرت کی ستم ظریفی، اب گھر میں رگھوناتھ کی نیم پاگل بیوی، اس کی بیوہ بہن، اس کا تین سالہ پوتا رہ گئے تھے۔صرف بڑا لڑکا بچا تھا۔لیکن وہ بھی دق میں مبتلا ہوکر گھر پہنچا۔ باپ نے رہی سہی پونجی اس پرخرچ کردی۔ لیکن اس کو موت کے چنگل سے نہ بچا سکا..... اس کی آپ بیتی سن کر دل کو یقین نہ آتا تھا کہ قدرت اس قدر جابر بھی ہوسکتی ہے، لیکن یہ ایک حقیقت تھی۔

شام کی چائے کے بعد جب وہ رخصت ہونے لگا تو میں نے کہا،''رگھوناتھ جی اتنے مصائب جھیلنے کے بعد بھی آپ کی ثابت قدمی اور حوصلہ دیکھ کر میں آپ کی بہت عزت کرنے لگا ہوں۔''

وہ اپنی چھڑی سے زمین کریدنے لگا۔ ''نوازش ہے جناب کی.... قدرے سکونت کے بعد مجھ سے نظر ملانے سے کتراتے ہوئے بولا....'' لیکن میرا حافظہ کمزور ہوگیا ہے کچھ..... میں بھول جاتا ہوں کئی باتیں....''

اس کے چلے جانے کے بعد میں دیر تک اس کی بات سوچتا رہا۔

میری سفارش پر وہ دفتر میں ہیڈ کلرک مقرر ہوگیا۔ اس کی موجودگی میرے لیے اطمینان کا باعث تھی۔ مجھ کو تسلّی اس بات کی تھی کہ دفتر میں کم از کم ایک ذمہ دار شخص موجود تھا۔ چونکہ میں خود محنتی اور ذمہ دار شخص ہوں اس لیے اس قسم کے اشخاص پا کر ہمیشہ خوشی محسوس کرتا ہوں۔ غیر ذمہ دار کلرکوں کا مجھے بہت تلخ تجربہ تھا۔ کئی بار مجھ کو رگھوناتھ سے مشورہ بھی لینا پڑا۔ بارہا ایسا ہوا کہ ضروری کام پڑنے پر میں اطمینان کے ساتھ دورے پر چلا جاتا، لیکن میری غیر حاضری میں دفتر کے کام میں گڑبڑ نہ ہوتی تھی۔

اپنی میز کے آگے بیٹھے بیٹھے میرا دل رگھوناتھ کی طرف کھنچا رہتا۔ اس کی بعض حرکتوں سے میرا دل بہت متاثر ہوتا۔ مثلاً اس کے کوٹ کا کالر گردن کے قریب پھٹ گیا تھا۔ وہ قمیص کے کالرکو اس پر چڑھا کر اسے چھپائے رکھتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ فائل لیے میرے کمرے کی طرف بڑھتا۔ پردے کے قریب پہنچ کر ایک دم رُک جاتا۔ مجھ کو معلوم ہوجاتا کہ اس وقت وہ کوٹ کے کالر پر قمیص کا کالر چڑھا رہا ہے..... کبھی کبھی اس کی قمیص کے بوسیدہ کف کوٹ کی بانہہ سے باہر نکل آتے۔ وہ زخم چھپاتے ہوئے کبوتر کی طرح انگلیوں سے کف کو کوٹ کی بانہہ کے اندر کردیتا۔ ہر چند وہ یہ حرکتیں اس انداز سے کرتا کہ مجھ کو پتہ نہ چلتا لیکن میری متجسس نگاہوں سے اس کی کوئی حرکت پوشیدہ نہ تھی۔

دیوی دیال باتیں کیے جارہا تھا۔ لیکن میرا دھیان دوسری طرف تھا۔ چنانچہ جس قدر جلد ہوسکا میں نے اس کو ٹالا۔ پھر تھوڑی دیر تک میں رگھوناتھ کا منتظر رہا۔ لیکن وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ دو تین مرتبہ بلا پیاس، چپراسی سے پانی منگوا کر پیا۔ کھڑکی کے آگے کھڑا ہوکر سگریٹ کے لمبے لمبے کش لیتا رہا تاکہ رگھوناتھ کو معلوم ہوجائے کہ میں اتنا مصروف نہیں وہ چاہے تو آکر مجھ سے بات کرلے۔ اس کے بعد میں کچھ دیر کاغذات دیکھتا رہا.... کھانا بھی دفتر میں ہی منگوایا، لیکن وہ نہ آیا۔

شام کو دفتر کا وقت ختم ہوجانے پر عملہ میری روانگی کا منتظر تھا۔ میں نے چپراسی کی زبانی کہلوادیا کہ وہ میرا انتظار نہ کریں۔ کھڑکی میں سے مَیں ان لوگوں کی ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کے ڈھیروں کے قریب سے ہوکر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ اسکول کے لڑکوں کی طرح ایک دوسرے پر لپکتے جھپٹتے چلے جارہے تھے لیکن ان میں رگھوناتھ شامل نہ تھا۔ چپراسی نے بتایا کہ بابو رگھوناتھ ابھی کام کررہے تھے۔ میں نے سگریٹ سلگایا اور کاغذات پر جھک گیا۔

دس پندرہ منٹ بعد رگھوناتھ اندر آیا۔ میں نے قلم ایک طرف رکھ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا کر بولا۔ ''کیا آپ کا کام ختم نہیں ہوا؟ آج آپ نے دوپہر کے وقت آرام بھی نہیں فرمایا.... اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمایئے....''

میں جواب میں ہنس پڑا۔ معمول کی نسبت زیادہ بے تکلفانہ انداز میں بولا۔ ''آپ بزرگ ہیں، خدمت کرنا تو ہمارا فرض ہے.... آپ ابھی تک گھر کیوں نہیں گئے؟ اگر کچھ کام باقی رہ گیا ہو تو کل ہوسکتا ہے۔''

''جی بس اب چلا جاؤں گا... آپ، کیا آپ ابھی تشریف رکھیں گے؟''

''جی ہاں میں ذرا ایک صاحب کا منتظر ہوں۔''

رگھوناتھ اِدھر اُدھر بے معنی نظروں سے دیکھتا رہا... ''آپ باہر لان میں بیٹھنا پسند کریں گے؟ کہیے تو کرسیاں نکلوادوں۔''

میں رگھوناتھ کے روبرو زیادہ افسرانہ شان کا مظاہرہ نہیں کرتا تھا کچھ اس لیے اور کچھ اپنی عمر کے تقاضے سے مجبور ہوکر وہ کبھی کبھی پدرانہ لہجہ میں باتیں کرنے لگتا تھا۔

''نہیں رگھوناتھ جی۔ میں ذرا یہ کاغذات دیکھوں گا۔''

قیاس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔لیکن کچھ تذبذب میں تھا۔ وہ دفتر کی نامکمل عمارت، فرنیچر، ٹھیکیداروں، ایک حد سے زیادہ رشوت خوری اور سیر کی باتیں کرتا رہا.... بالکل اس نے کچھ کہنے کے انداز سے میری طرف دیکھا۔ میں ہمہ تن گوش تھا....''اچھا....تو....اگر آپ اجازت دیں.... میں جاسکتا ہوں۔''

میں مایوس سا ہوگیا۔''ضرور ضرور....'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔

اس نے کھانس کر چھڑی اٹھائی۔ٹوپی کو سر پر درست کرتے ہوئے وہ رک رک کر دروازے کی طرف بڑھا۔

''رگھوناتھ جی!''

''جی''۔ وہ واپس چلا آیا۔ میرے سامنے میز کے قریب کھڑا ہوگیا۔

میں نے سگریٹ کا لمبا کش کھینچ کر اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا'' کیا آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟''

وہ خاموش کھڑا رہا۔ پھر وہ یونہی کمرے کے کونے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے لبوں سے ایک مبہم سی آواز نکلی۔

''کہیے نا۔''

''میں....میں...'' اس نے اچٹتی ہوئی نظر مجھ پر ڈالی۔''مجھ کو....''

وہ کچھ گھبرا سا گیا۔ میں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا،''رگھوناتھ جی آپ کرسی پر تشریف رکھیے۔کوئی حرج نہیں تشریف رکھیے۔''

وہ بیٹھ گیا۔ مجھ کو منتظر پا کر وہ آہستہ سے بولا۔''میں بہت شرمسار ہوں۔''

میں کھل کھلا کر ہنس پڑا۔''رگھوناتھ جی ! آج تو آپ نے تکلّف کی حد کردی....توبہ۔''

لاٹھی سے فرش کو بجاتے ہوئے وہ بڑی جرأت سے کام لے کر بولا...''مجھ کو ایک روپیہ درکار ہے...''

''ایک روپیہ؟'' میں نے حیرت سے نسبتاً بلند آواز میں پوچھا۔

اس نے پھر میری طرف اچٹتی ہوئی نظر سے دیکھا۔ شاید وہ میرے چہرے پر اپنی بات کا ردّعمل معلوم کرنا چاہتا تھا۔

اس نے دھیمی آواز میں کہا۔''شاید آپ کو یاد ہوگا، آپ نے مجھ سے ایک دفعہ ایک روپیہ لیا تھا۔ یہ تین ساڑھے تین مہینے پہلے کی بات ہے...''

ایک روپیہ؟.... وہ کب ؟ میں دل ہی دِل میں سوچنے لگا۔ میرے چہرے پر غور وخوص کے آثار دیکھ کر اس نے پھر کہا،''اس دن بنک کا چپراسی آیا تھا۔ آپ کے پاس دس سے کم کا نوٹ نہیں تھا۔ آپ نے مجھ سے ایک روپیہ لیا۔ آپ نے یہ بھی ہدایت کی تھی کہ اگر آپ کو یاد نہ رہے تو میں آپ کو یاد دلا کر روپیہ واپس لے لوں۔'' وہ پھیکی ہنسی ہنسا ''اور میں نے جواب میں کہا تھا کہ ایک روپیہ بھی کوئی بڑی رقم تھی جو میں یاد دلاتا پھروں... سچ پوچھیے تو میں بھول چکا تھا۔ آپ جانتے ہی ہیں میرا حافظہ کمزور ہو چکا ہے....لیکن کل شام مجھ کو نہ معلوم کس طرح یہ بات یاد آ گئی۔ مجھ کو امید ہے آپ بھولے نہیں ہوں گے۔''

ہاں مجھ کو یاد آ گیا۔ رگھوناتھ پر مجھ کو بے اعتمادی نہ تھی، لیکن افسوس اس امر کا تھا کہ میں روپیہ واپس کرنا بھولا کیوں ؟ وہ روپیہ....لیکن میرا خیال ہے میں نے روپیہ واپس کردیا تھا اسی دن شام کو۔ یقیناً میں نے واپس کردیا تھا۔ رگھوناتھ اس جرأت کے لیے معذرت طلب کرتا رہا۔ میں نے چپکے سے اپنی نوٹ بک نکالی۔ اکتوبر کی سات تاریخ کو رگھوناتھ سے ایک روپیہ لیا گیا تھا۔ میں نے یادداشت کے لیے نوٹ بک پر لکھ لیا تھا اور اسی شام کو روپیہ واپس کرنے کے بعد میں نے اس کے آگے انگریزی میں 'پیڈ' لکھ دیا تھا۔

رگھوناتھ کو میں یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں ایسا غیر ذمہ دار اور بے اصول شخص نہیں کہ اس کا روپیہ لے کر بھول جاتا۔ ''رگھوناتھ جی میں نے وہ روپیہ....''

''میں پھر دست بستہ معافی کا خواستگار ہوں۔ باور فرمائیے۔ شرم کے مارے میری نظر نہیں اٹھتی....ضرورت ہی کچھ ایسی آن پڑی.... ورنہ میں ایک روپیہ کے لیے تقاضا نہ کرتا۔''

میں خاموش ہوگیا۔ رگھوناتھ پانی پانی ہوا جاتا تھا۔ اس کی نظریں فرش پر گڑی ہوئی تھیں۔ جیسے وہ مارے ندامت کے زمین میں سما جانا چاہتا ہو۔

''نہیں نہیں رگھوناتھ جی معمولی بات ہے۔'' یہ کہہ کر میں مسکرایا اور کرسی پر پیچھے کی طرف جھک گیا۔ ''شرمندہ تو میں ہوں۔ معافی کا طلب گار تو مجھ کو ہونا چاہیے۔''

شکر گزاری کے آنسو اس کی آنکھوں میں جھلکنے لگے۔ ''آپ سے کیا چھپانا....''

کل سے روٹی نہیں پکی....آٹا ختم ہے۔ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی میری عادت نہیں.... پس یہ تھی اصل بات.... ورنہ ایک روپیہ کی حیثیت ہی کیا! میں ہرگز آپ کو اس کی یاد نہ دلاتا۔''

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''آپ کو کتنے روپیوں کی ضرورت ہے....میرا مطلب ہے تنخواہ ملنے پر مجھ کو واپس دے دیجیے گا۔''

اس کے چہرے پر اذیت کے آثار پیدا ہوئے۔ ''میں نے آپ کو گھر کی حالت اس لیے بتائی تھی کہ آپ ایک روپیہ کے لیے تقاضہ کرنے پر مجھ کو اوچھا اور نیچ نہ سمجھنے لگیں۔'' یہ کہہ کر اس نے میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا جو میں عمر بھر نہ بُھلا سکوں گا۔ ''میں ایک بااصول اور باعزّت شخص ہوں۔ اگرچہ یہ گستاخی ہے کہ آپ مجھ پر عنایت فرمانا چاہیں اور میں انکار کروں، لیکن چونکہ میں نے آج تک نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا نہ کبھی ایک کوڑی کا قرضدار بننا منظور کیا۔ اس لیے آخری عمر میں اپنے اصول سے گرنا نہیں چاہتا..''

میں نے چپکے سے ایک روپیہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اسے اٹھا کر اپنی مٹھی بھینچ لی۔ پیشانی سے پسینہ پوچھتے ہوئے پردہ ہٹا کر، لڑکھڑاتے قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

الفاظ ومعانی

رسوخ رسائی **تصرّف** قبضہ، اختیار **سانحہ** واقعہ **مژدہ** خوش خبری، بشارت **نہنگ** مگرمچھ **اتھاہ** جس کی گہرائی کا پتہ نہ چلے، بہت گہرا **مُبہم** وہ بات جس کا مطلب صاف نہ ہو۔

مشق

1. **مندرجہ ذیل سوالوں کے ایک جملے میں جواب لکھیے :**
   (1) کس وجہ سے مصنف کو ملازمت مل گئی ؟
   (2) پنڈت دیوی دیال، مصنف سے اپنا کونسا مدّعا بیان کرنا چاہتا تھا ؟
   (3) مصنف نے رگھوناتھ کو اپنے دفتر کیوں بلایا ؟
   (4) کس خیال سے مصنف نے رگھوناتھ کو نوکر کے ذریعے بلوالیا ؟

(5) کس قسم کے اشخاص سے مصنف کو خوشی ہوتی تھی ؟

.2 مندرجہ ذیل سوالوں کے دو-تین جملوں میں جواب دیجیے :

(1) نہ چاہتے ہوئے بھی مصنف کو پنڈت دیوی دیال سے کیوں ملنا پڑا ؟

(2) رگھوناتھ کی شخصیت پر روشنی ڈالیے۔

(3) بے موقع آمد سے معذرت چاہتے ہوئے رگھوناتھ نے اپنے بارے میں کیا بتایا ؟

(4) رگھوناتھ کی کونسی حرکتیں مصنف کے دل کو متاثر کردیتی تھیں ؟

(5) رگھوناتھ ایک روپے کی درخواست سے مصنف کو کونسی بات یاد دلانا چاہتا تھا ؟

.3 مندرجۂ ذیل سوالوں کے جواب تفصیل سے لکھیے :

(1) رگھوناتھ کے ساتھ کونسا سانحہ پیش آیا ؟

(2) مصنف نے اپنی کہانی کا عنوان 'خوددار' کیوں پسند کیا ؟ واضح کیجیے۔

.4 ذیل کے محاوروں کا معنی بتا کر اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :

(1) ہمہ تن گوش ہونا

(2) پانی پانی ہونا

(3) ہاتھ پاؤں مارنا

.5 الفاظ کی ترکیب سمجھائیے :

کش مکش ، نشست و برخاست ، ورق گردانی ، بے تکلّفانہ ، خواستگار

.6 مندرجہ ذیل جملے کس کردار نے، کس سے کہے ہیں؟ بتائیے۔

(1) اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیے۔

(2) جی ہاں میں ذرا ایک صاحب کا منتظر ہوں۔

(3) میں ایک بااصول اور باعزّت شخص ہوں۔

●

27 سیتا جی کی گریہ وزاری

سُرور جہان آبادی

پیدائش : دسمبر 1873، جہان آباد — وفات : 3 دسمبر 1910، جہان آباد

دُرگا سہائے نام، سرورؔ تخلص۔ والد کا نام حکیم پیارے لال تھا۔ سُرور کی ابتدائی تعلیم جہان آباد کے تحصیلی اسکول میں ہوئی، وہیں سے انہوں نے اُردو مڈل کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد سید کرامت علی حسین بہارؔ سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ شعر وسخن کا شوق بھی اسی وقت سے پیدا ہوا اور بہارؔ ہی سے مشورۂ سخن کرنے گئے۔

1899 میں سرورؔ کا کلام ادبی رسالوں میں شائع ہوکر مقبول ہونے لگا۔ 'ادیب' اور 'مخزن' جیسے رسالوں میں سرورؔ کا کلام اہتمام سے چھپتا تھا۔ سرورؔ کے ہاں نظموں کا ذخیرہ، غزلیات کے مقابلہ میں زیادہ ہے، انہوں نے زندگی کے گوناگوں مسائل سے کلام میں ندرت وتنوع پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ شاعری مبالغہ سے پاک اور زندگی کے روزمرّہ کے واقعات سے آراستہ ہے۔

ہمراہ اپنے بن کو مجھے ناتھ لے چلو
ریکھا تمہارے چرنوں کی ہوں ساتھ لے چلو

نازک ہے میرا شیشہ دل ٹوٹ جائے گا
چھوٹا تمہارا ساتھ تو جی چھوٹ جائے گا

راتیں نہ کٹ سکیں گی اکیلے فراق میں
گھڑیاں وہ جس نے جھیلی ہوں جھیلے فراق میں

قسمت نے جب سے باپ کے گھر سے کیا جدا
سوامی! مجھے نہ تم نے نظر سے کیا جدا

پتلی کی طرح آنکھوں میں شام وسحر رہی
پہلو میں بن کے صبر وشکیب جگر رہی

دُکھ آج تک سہا نہ غم روزگار کا
مجھ پر کرم رہا ستم روزگار کا

صدمے تمہارے ہجر کے کیوں کر اٹھاؤں گی
میں مر مٹوں گی دکھ جو یہ دم بھر اٹھاؤں گی

ہمراہ بن کو ناتھ مری روح جائے گی
سائے کی طرح ساتھ مری روح جائے گی

مجھ سے شب فراق میں تڑپا نہ جائے گا
روز سیاہ ہجر کا دیکھا نہ جائے گا

گھر میں جو چھوڑ جاؤگے سیتا غریب کو
پاؤگے بن سے آکے نہ جیتا غریب کو

مانا کہ دشت میں غم وآلام ہیں بہت
بن باسیوں کو دکھ سحر وشام ہیں بہت

ایذا اگرچہ آبلہ پائی کی ہے کڑی
دوزخ سے بڑھ کے آگ جدائی کی ہے کڑی

یہ آگ وہ ہے جو دل مضطر کو پھونک کر
بجھتی ہے آرزو کے بھرے گھر کو پھونک کر

وابستہ آہ! تم سے ہیں سارے جہاں کی عیش
رنج فراق دوں جو تمہیں تو کہاں کے عیش

تاریک تم بغیر ہے عالم مرے لیے
فردوس بھی ہے آہ! جہنم مرے لیے

الفاظ ومعانی

شکیب صبروتحمل، برداشت **دشت** جنگل **دلِ مضطر** پریشان دل **شبِ فراق** جدائی کی رات **آبلہ پائی** پاؤں میں چھالے پڑنا۔

مشق

1. **مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب مختصر طور پر دیجیے :**

(1) اس نظم میں کس واقعہ کی منظرکشی کی ہے ؟

(2) بن میں جانے کے لیے سیتاجی رام چندر جی سے کس طرح گریہ وزاری کرتی ہیں ؟

(3) باپ کے گھر سے جدا ہونے کے بعد سیتاجی نے رام کے ساتھ کیسی زندگی گزاری ؟

(4) سیتاجی رام چندر جی کے ساتھ بن میں جانے کے لیے کیوں کہہ رہی ہیں ؟

(5) اگر سیتاجی کو رام بن میں نہ لے گئے تو اُن کا کیا حال ہوگا ؟

(6) بن کے تمام رنج والم اُٹھانے کے لیے سیتاجی کیوں تیار ہیں ؟

(7) سیتاجی کے عیش وآرام کس کی بدولت ہیں اور کیوں ؟

2. **مندرجہ ذیل اشعار کی صنعتیں پہچانیے :**

(1) نازک ہے میرا شیشۂ دل ٹوٹ جائے گا
چھوٹا تمہارا ساتھ تو جی چھوٹ جائے گا

(2) راتیں نہ کٹ سکیں گی اکیلے فراق میں
کڑیاں وہ جس نے جھیلی ہوں جھیلے فراق میں

(3) پتلی کی طرح آنکھوں میں شام وسحر رہی
پہلو میں بن کے صبر وشکیب جگر رہی

3. **نظم کا خلاصہ لکھیے۔**

4. **'صبر وشکیب' کو قواعد کی رو سے پہچانیے۔**

●

28 رُباعیات

امجد حیدرآبادی

نام سید احمد حسین اور امجدؔ تخلص کرتے تھے۔ ان کے والد رحیم علی بڑے خدا ترس بزرگ تھے۔ 1908ء میں دریائے موسیٰ کے سیلاب میں امجدؔ، ان کی والدہ، بیوی اور بچی پانی میں بہہ گئے۔ امجد کسی طرح بچ گئے، باقی تمام لُقمۂ اجل ہوگئے۔ امجد نے 6 سال تک جامعہ نظامیہ میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولوی سعید الدین، مولوی عبد الوہاب بہاری، علامہ سناو الملک وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

امجد کی تصانیف میں دو رسالے اور پانچ کتابیں یادگار ہیں۔ جن میں حکایات امجد، حجِ امجد، پیام امجد اور میاں بیوی کی کہانی قابلِ ذکر ہیں۔ امجد اردو شاعری میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ بالخصوص امجد کی رباعیات قرآن وحدیث کی ترجمانی کرتی ہیں۔ امجد کو شہنشاہِ رباعیات کہا جاتا ہے۔

(1)

مفلس ہوں، نہ دولت ہے نہ سرمایہ ہے
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لایا ہے
یارب تیری رحمت کے بھروسے امجد
بند آنکھ کیے یوں ہی چلا آیا ہے

(2)

ہر چیز مسبب سبب سے مانگو
منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو
بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

(3)

غم کا ہے یہی علاج امجد
خاموشی کے ساتھ رنج سہیے
گو ضبط سے ہو دِل ٹکڑے ٹکڑے
بے درد سے دردِ دل نہ کہیے